U11819 5-12-09.

Title - MASABAH AL NISWAAN YAANI AURTON KE MUTALE KE MAZAMEEN KA MAJMUA.

Creator - Shah Muneer Alam.

Publisher - Institute Press (Aligarh).

Date - Not Available.

Pages - 102

Subjects - Urdu Mazameen.

رسالہ

مصباح النسوان

یعنی

عورتوں کے مطالعہ کے لائق مضامین کا مجموعہ

جو

جناب مولوی شاہ منیر عالم صاحب بی اے ایل ایل بی منصف بنارس و ٹرسٹی
علی گڈہ کالج و رئیس غازیپور نے تحریر کیے اور

جناب نفیس دلہن صاحبہ سکرٹری آل انڈیا مسلم لیڈیز کانفرنس نے

بغرض افادہ خواتین اسلام اپنے صرف سے

باہتمام محمد مقتدی خان شروانی

انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڈھ میں چھپوائے

(اور دفتر کانفرنس مذکور سے شائع کیے)

ان چند مضامین کو میں اپنی اہلیہ کے نام سے
معنون کرتا ہوں جن کی تحریک اور اصرار سے
میں انکے قلمبند کرنے پر مجبور ہوا!

شاہ منیر عالم

دیباچہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدا سازم بنام پاک آں بے ابتدا

تعلیم نسواں کی ضرورت روز بروز محسوس ہوتی جاتی ہے چند در چند رسالے اور کتابیں اس بابہ میں شایع ہوتے جاتے ہیں۔ مگر ابتک جسقدر کوشش اس بارہ میں ہو چکی ہے وہ ہرگز ضروریات کے لیئے کافی نہیں ہے۔ یہ چند مضامین میں نے خاص عالم نسواں کے لئے قلمبند کئے ہیں۔ کاش کہ مفید اور دلچسپ ثابت ہوں۔ میری راے میں ہماری عورتوں کی معلومات ابتک بہت ناقص ہیں اور اسبارہ میں زیادہ تر قصور اونکی تعلیم کا ہے۔ یا تو اون کو انگریزی تعلیم دیجاتی ہے حتیٰ کہ ماند و بود میں بھی وہ انگریزی طرز تمدن پر کاربند ہوتی ہیں اور دوسرے سرے پر محض ابتدا کی کتابیں پڑھ لینے پر اکتفا کرتی ہیں جس سے دنیا کی ضروری معلومات اون کو نہایت کم حاصل ہوتی ہیں۔ پردہ کی رسم کو خیرباد کہنا ہمارے طرز زندگی کے منافی ہے۔ دراصل یک گونہ پردہ تمام مہذب ملکوں میں اب تک مروج ہے۔ ہماری کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ باوجود پردہ کے اجراء کے ہماری خاتونیں علم حاصل کریں اور دنیا کی ضروری معلومات حاصل کریں اور مذہب کے سچے عقائد اون کے ذہن نشین کئے جاویں۔ اون کو دلچسپ طریقہ سے صحت کے ضروری قواعد بتائے جاویں تاکہ وہ خود صحتمند رہیں۔ اور گھربار کے عظیم بوجھ کو بخوبی اوٹھا سکیں۔

تھوڑے علم حاصل کرنے کے بعد ناول کا شوق کر لینا یا جسقدر علم حاصل کر لیا ہے اوس پر اکتفا کرنا زیادہ مفید نہیں ہوتا۔

ان امور پر لحاظ کر کے یہ چند مضامین نذر کئے جاتے ہیں حال آں کہ ان میں کوئی انوکھی بات کم یاب ہے۔ مگر پھر بھی پوری توقع ہے کہ ہماری خاتونیں ان کے مطالعہ سے معلومات کا ایک قیمتی ذخیرہ حاصل کر سکیں گی۔ اس امر کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں ہے کہ تعلیم نسواں پر توجہ اوسیقدر ضروری ہے جسقدر ہم لڑکوں کی تعلیم پر متوجہ ہوتے ہیں تعلیم یافتہ خاتون کا فرض ہونا چاہئے کہ اپنی تقلید لوگوں کو سکھا دیں اور اپنا بہتر اثر کم نصیب بہنوں میں پھیلا دیں تعلیم نسواں پنجاب اور اس صوبہ کے مغربی حصص میں چنداں مشکل نہیں ہے جس درجہ ہمارے صوبہ کے مشرقی اضلاع میں ہے اور جہاں ابتک علم کی جانب سے تعصب حائل ہے۔ رفتار زمانہ ان کو بھی آگاہ کر دیوے گی ہماری خاتونیں دراصل ہمارے لئے مایہ ناز و فخر ہیں اونکی بردباری اور متحمل اور صابر و شاکر ہونا خود آپ اپنی نظیر ہے۔ ان کی قدر دل میں وہ اصحاب جانتے ہیں جو غیر قوم میں بوجوہ شادی کر لیتے ہیں۔ والسلام

شاہ منیر عالم

فہرست مضامین

دل سے خدا کی یاد

عاشقش را عزو شانِ دیگر است　　محوِ ذاتش را نشانِ دیگر است

اسلام نے خدا کی یاد پر خاص طور پر زور دیا ہے۔ تمام دیگر مذاہب نے بھی اس باب میں کچھ کم کوشش نہیں کی ہے۔ مگر اسلام نے خدائے واحد جو رحیم اور کریم ہے اُسکی یاد کو ایک خاص مرتبہ دیا ہے۔ اسلام کا خدا ایک ذات واحد ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ کوئی عزیز نہیں۔ کوئی رشتہ دار نہیں۔ وہ سب کا مالک سب کا کارساز۔ سب کا آقا۔ سب کے لئے یکساں مہربان۔ سب پر یکساں نگہبان۔ اوس کا قیام ہر جگہہ اور اوس تک شنوائی ہر وقت اور ہر زبان میں ہے۔ وہی خطاؤں کو معاف کرے یا اوسکی باز پرس کرے۔ عزت دے یا رسوا و ذلیل کرے۔ تمام دُنیا جہاں اوسکی حکمت کاملہ کا ایک ذرہ ہے۔ اوسکی قدرت دیکھتے دیکھتے ہزار ہا برس گذرے۔ اور گذریں۔ تب بھی روز ایک نئی بات معلوم ہو۔ وہی بے کسی اور کس مپرسی میں مدد کرے۔ حفاظت کرے اور پالے پوسے۔ دشواری کو آسان کرے۔ بیمار کو اچھا کرے۔ غریب کو امیر کرے گنہگار کو عابد اور معصوم و متقی بنا دے۔ عذاب کا پلہ رحمت کے مقابل ہلکا رکھے۔ اوسکو نہ تو نیند ہی آوے اور نہ تکان ہی گھیرے۔ سارے کارخانہائے عالم کا چلانے والا۔ فریادرس مجیب الدعوات۔ رحمٰن و رحیم ہے جس کی یاد سے دل کو خاص تسکین اور ڈھارس بندھتی ہے اور جس کی امداد غیبی بغیر انسان ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکتا ہے۔ وہی راز داں۔ وہی مقلب القلوب اور وہی عالم الغیب ہے ؎

آنچہ یک پیر زن کند بسحر　　نکند صد ہزار تیر و تبر

اسلام کے خدا نے اپنے کلام پاک میں وعدے فرمائے ہیں کہ ہم سب کی سنتے اور ہم سب کے قریب ہیں خواہ ہمکو آہستہ سے پکارو خواہ باآواز بلند پکارو۔

اوسکی یاد رکھنے سے ایسے عظیم الشان خالق کے سامنے عاجزی ٹپکتی ہے کہ ہم مثل ذرہ ناچیز کے ہیں اور اوسکی شان عالی ہے۔ اوسکی یاد ملحد نے بھی کی ہے مگر کب؟ جبکہ یاد کرنا ظاہرا بے سود تھا۔ یعنی عمر بھر تو خدائے تعالےٰ کے وجود سے انکار کیا مگر آخر کار نزع اور جانکنی کے وقت وہی یاد آیا۔ تکالیف میں اگر اوسکی یاد دل کو نہ بڑھاوے تو انسان کا دل بیٹھ ہی جاوے۔ خود بینی اور خود نمائی کی وقعت کیا رہ جاتی ہے جبکہ انسان اوس قادر مطلق کے عجیب عجیب کرشمے ہر لحظہ اور ہر گھڑی دیکھا کرتا ہے۔ اور اپنے کو ہیچ میرز پاتا ہے۔

خدا کی یاد اس میں نہیں ہے کہ چند بار بطور منتر کے اللہ، اللہ پکار لیا کرو۔ بلکہ اصل میں اوسکی یاد سے مراد دل سے یاد کرنا ہے یعنی دل اوسکے قادر مطلق ہونے پر گواہی دے اوسی پر بھروسہ رکھے اوسی سے مدد چاہے۔ اوسی سے منت کرلے۔ اوسی کو مشکل کشا یقین کرے۔ ساری دعا اوسی سے چاہے۔ اوس سے امید رکھے اور اُسی سے ڈرے ایسے غفار اور قہار سے کون بچ سکتا ہے۔ انسان اگر اوسے بھولا تو پچھتانا ہی ہاتھ لگیگا اوس کا رحم اور عدل تمام دنیوی رحم و عدل سے بالاتر اور اوس کا انصاف حقیقی ہے۔

کروڑوں تارے۔ سیارے۔ سورج۔ مہتاب۔ الگ الگ ہر ایک دنیا جہان ہیں (جہاں تک ہنوز باوجود اسقدر دل خوش کن ترقی کے بھی ذرہ برابر اصلی معلومات انسان کی رسائی نہیں ہوئی ہے)۔ پانی اور ہوا میں کروڑوں ایسے ایسے عجیب عجیب انواع واقسام کے جاندار متحرک ہیں جو گنتی اور شمار سے باہر ہیں۔ غرضکہ وہی علت العلل ہے اور سارے کائنات کا مسبب الاسباب ہے۔

خدا تعالیٰ کی شان کبریائی

یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ اوس خدائے پاک کارساز عالم کی قدرت کا اندازہ کرنا

انسانی طاقت سے باہر بلکہ ناممکن ہے۔ اوسکی قدرت کے کرشمے ہر لحظہ اسقدر ظہور میں آتے ہیں کہ جن کو انسان گننا جاہے تو کوئی کام دوسرا نہیں کرسکتا ہے۔ مگر پھر بھی گنتی اور شمار کے باہر پاوے گا مثلاً روزمرہ کے مشاہدات کو ہی لو کہ رات آئی تمام اندھیرا چھا گیا۔ چاند نکلا تارے جگمگائے۔ پھر پورب کی جانب سپیدی نظر آنے لگی دن نکلا۔ آفتاب جہاں تاب آہستہ آہستہ سر اوٹھاتے اوٹھاتے نظروں کے سامنے آپہونچا۔ اگر گرمی کے دن ہیں تو اوسکی کرنیں گرم پڑنے لگیں اور انسان اوس کے سامنے آنکھ برابر کرنے کی تاب نہیں لاسکتا ہے۔ اگر موسم سرما ہے تو آفتاب کا طلوع ہونا گویا کہ رات کے کڑکڑاتے ہوئے جاڑے اور سردی کے بعد دراصل ایک رحمت ہی اور لوگ بالخصوص غربا جوق کے جوق اوسکے سامنے بیٹھتے اور اپنے کو گرماتے ہیں۔

دن جوں جوں بڑھتا گیا وہی آفتاب اپنی پوری روشنی اور تمازت کے ساتھ سر پر چڑھتا گیا یہانتک کہ ۱۲ بجے دن تک بالکل سر پر آجاتا ہے اور کرنیں تیز تیز اس زمین پر پڑتی ہیں پھر سر سے گرنے لگتا ہے اور گرتے گرتے بالکل سامنے جانب مغرب آجاتا ہے۔ نکلا تو پورب سے اور آپہونچتا ہے پچھم کے دُور دراز اُفق پر۔ اوس کا نکلنا بھی عجیب وغریب اور غروب ہونا بھی اوس سے کم دلچسپ نہیں ہوتا ہے۔

سورج اور مثل اوس کے چند در چند چلتے ہوئے ستارے ہیں جو دُور دراز ہونے کے باعث بہت چھوٹے نظر پڑتے ہیں یہ دن کو سورج کی روشنی کے باعث نہیں دکھائی دیتے ہیں۔ سورج تمام اس دنیا پر روشنی پہونچاتا ہے۔ دُنیا اوسکے گرد چوبیس گھنٹہ میں ایک بار گھوم جاتی ہے۔ زمین مثل نارنگی کے گول ہے۔ گول ہونے سے جب ایک طرف سورج کی روشنی پڑتی ہے تو دوسرا حصہ اندھیرے میں رہتا ہے۔ ایک طرف دن ہوتا ہے تو دوسری طرف رات یونہی ردّوبدل ہزاروں لاکھوں سال سے ہوتا چلا آیا ہے اور خدا تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے کبھی نہ دیر ہوئی اور نہ کبھی سویرا۔ بلکہ اپنے وقت

معینہ پر اور اپنے رستہ پر مقررہ سارے کے سارے اپنے کام میں مشغول رہتے ہیں۔

چاند کی روشنی چاند میں خود ذاتی نہیں ہے بلکہ اوسکی روشنی سورج سے عاریتاً لیجاتی ہے۔ چاند ہماری دنیا کے گرد گھومتا ہے۔ اُسکے گھومنے میں کیا کیا فائدے ہیں؟ ہم انسان کی سمجھ میں آنا دشوار ہے ستارے آباد ہیں یا غیر آباد یہ امر اب تک طے نہیں پایا ہے اور اس کا کون اندازہ کرسکتا ہے کہ مثل ہماری دنیا کے کئی ہزار اور دُنیا آباد اور زرخیز ہیں۔ ہماری دنیا جس پر ہم لوگ آباد ہیں وہ تو مثل ایک مٹر کے دانہ کے ہے۔ بمقابلہ سورج کے قدوقامت کے جو اُس کے آگے مثل ایک بڑے گھڑے کے سمجھنا چاہیئے۔

سورج کی روشنی سے جو فائدے ہیں وہ بیان سے باہر ہیں۔ دُنیا کا قیام انسان کی زیست، جاندار کی بقا، اور نباتات میں نمو اور پھلنا پھولنا، سب اسکے بدولت ہے۔ یہی سورج سمندر میں سے بخارات جو مثل بھاپ کے اوٹھتے ہیں اوپر لیجاتا ہے وہ بھاپ تمام حصوں پر پھیل جاتے ہیں اور بارش کا سبب ہوتے ہیں۔ چنانچہ گرم موسم میں بھاپ بننے کا کارخانہ جاری ہوتا ہے وہی بھاپ اوپر چڑھتے ہیں اور بارش کا باعث ہوتے ہیں۔ سمندر کو دیکھو تو خدا کی وہ قدرت نظر آتی ہے کہ جو بیان سے باہر ہے۔

سمندر کے جانور اوسکے موتی۔ مونگے۔ سیپ۔ گھونگے۔ یہ کیا کم عجائب پیش نظر آتے ہیں۔ سمندر کا تلاطم اوس کا گھٹنا اور بڑھنا جسکو "مدوجزر" کہتے ہیں۔ سمندر کی کیفیت کہ اوپر نیلا آسمان اور سامنے کوئی کنارہ نہیں۔ کوئی درخت نہیں۔ تمام پانی کی ایک صاف سطح اور موجوں کا اوچھلنا۔ ایک دوسرے سے لڑنا پھر ایک پر ایک کا گرنا۔ یہ سب قدرت کے وہ نمونے اور وہ عجائب ہیں جو بطور خود نہایت دلچسپ اور بعض وقت ڈروانے ہوجاتے ہیں۔ سمندر کے جانوروں کے اقسام اسقدر بے شمار ہیں کہ جو ابتک پورے پورے طور پر گنے نہیں جاسکے ہیں۔ مچھلیاں ان اقسام کی ہیں کہ جو تصویروں میں بھی عجیب نوعیت کی دکھائی

دیتی ہیں۔ یہی سمندر بعض وقت ملکوں اور قوموں کے لیئے ایک مضبوط چہار دیواری کا کام دیتے ہیں جہاں جلد دشمن یا غنیم نہیں آسکتے ہیں اور اگر آویں تو یہیں میدان جنگ بنجاتا ہے جنگل تو گویا کہ حیوانات کے لیئے بڑے بڑے آبادی کے مقامات ہیں۔ جہاں درندے اور غریب کمزور جانور سب رہتے اور اپنا اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔ اور دوسروں کے حملوں سے جان بچاتے پھرتے ہیں۔ یہ جنگل اونکا موروثی پایۂ تخت بنا رہتا ہے اور جلدی دوسرے غیر یا بیگانوں کو نہیں گھسنے دیتے ہیں۔ یہاں کھاتے اور مزہ کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اون میں نہ تو کوئی بیماری پڑتا ہے اور نہ کوئی اون میں ضعیف اور ناتوان یا سن رسیدہ نظر آتا ہے۔ انکی گیت یا ڈانٹ سے جو دوسروں کو بعض وقت بھلی یا ڈراونی معلوم ہوتی ہے اس جنگل کو رات میں بھی منگل بنائے رہتے ہیں۔ دریا یا چشموں پر ان سب کے حصہ بٹے ہوئے ہیں اور اپنا اپنا مقام خوب پہچانتے ہیں۔ سکونت کے حصے الگ الگ گوشوں میں ہوتے ہیں جہاں بعافیت زندگی بسر کرتے ہیں اور اُن حصوں پر مالک بنے رہتے ہیں اسی طور پر چاندنی رات بھی اپنا سماں خاص رکھتی ہے۔ گرمی میں چاندنی رات تو گویا کہ زندگی کے لطف کو دوبالا کر دیتی ہے۔ برسات میں چاندنی اور چھاؤں بادلوں کا ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے پھرنا۔ بھاگتے بھاگتے مختلف انواع صورت بنجانا پھر مٹ جانا دوسری صورت بننا۔ یہ کیا کم خدا کے اعلیٰ ترین قدرت کے نمونے ہیں۔ غرضکہ روزمرہ کے کرشموں کو آنکھ کھولکر دیکھو ذرا چلو پھرو مختلف جگہہ پر دوسری دوسری کیفیت کا نظارہ کرو۔ تو اوس کے بے پایاں قدرت کے آثار دیکھ سکو گے۔ پہاڑ۔ دریا۔ فوارے۔ چشمے پانی کا برسنا۔ بادل کا اوٹھنا۔ آندھی کا آنا۔ برف کا گرنا۔ کن کن صورتوں میں دیکھو گے۔ دیکھو اور خدا کی حمد صدق دل سے بجا لاؤ۔

نور اسلام

خدا تعالے نے متعدد ہادیان دین اس عالم میں روانہ فرمائے ہیں۔ جنکا فرض منصبی

یہ عطا کیا گیا تھا کہ "جاؤ اور دنیا میں نورِ حق کی تلقین کرو" چنانچہ وہ بزرگانِ دین آئے اور اپنے اپنے فرائض سے سبکدوش ہوکر چلے گئے۔ بعض نے اپنی زندگی ہی میں اپنے فرائض بجیدہ کو کماحقہ' ادا کر دیا مگر بعض کی ناگاہ یا قبل از وقت موت نے اون کے مذہب کو نقصان پہونچایا۔ اون کے پیروؤں نے اون پاک مذہبوں میں رخنہ ڈالکر مذہب کی اصلی بنیاد کو ہلا ڈالا۔ یا راستے سے دور جا پڑے۔

حضرت موسیٰ آئے اور توریت ساتھ لائے۔ اون کے بعد اون کے معتقدوں نے پاک مذہب کو گڈمڈ کر ڈالا اور دینِ حق میں خلل انداز ہوئے۔

حضرت عیسیٰ انجیل لیکر بھیجے گئے کہ جاؤ اور قوم کو راہ راست پر لاؤ اور جادۂ اعتدال سے نہ ہٹنے دو۔ مگر حضرت عیسیٰ کے بعد پھر وہی خرابی اور وہی بے اعتدالیاں ہوگئیں اب پھر ضرورت پیش آئی کہ دوسرا پیغمبر دنیا میں مبعوث ہو کہ جو تمام کشت و خون پر پانی پھیر دیوے۔ سب کو بھائی بھائی بنا دے۔ نزاعات کے بدلے خلوص اور بدشعاری کے عوض خوش اسلوبی پیدا کرے۔ بت کے بجائے خدائے تعالیٰ کو کارساز حقیقی بتاوے اور لوگوں کو اس رمز سے آگاہ کر دے۔ چنانچہ ساتویں صدی عیسوی میں ہمارے پیغمبر صاحب صلعم مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔

چالیسویں سال میں آپ کو نبوت عطا ہوئی۔ اب وہ وقت آگیا کہ حق پر سے گرد و غبار دور ہونے لگے۔ جناب پیغمبر صاحب صلعم پر وحی نازل ہوئی۔ مگر لوگوں کے دلوں میں شکوک پیدا ہوئے۔ طنز کرنے اور مضحکہ اڑانے لگے۔ مگر خدا تعالیٰ کا حکم پورا ہوا۔ آخر کار دشمن یعنی کفار پسپا ہوکر سرِ تسلیم کو خم کرنے لگے۔ گو قبیلہ کا قبیلہ جگر بیٹھا دشمنوں نے بہت کچھ لوگوں کو اکسایا۔ ان کے جسم مبارک کو اذیتیں دیئیں۔ ان کے پیروؤں کو زحمتیں جھیلنی پڑیں۔ مگر آخر کار سچائی ہی غالب آئی خدا کا حکم پورا ہوا۔ لوگوں نے خدا کو پہچانا بتوں کو پس پشت ڈالا اور بھولے جھگڑوں رگڑوں پر خاک ڈالی اور ساری قوم ہم آواز اور

ایک دل بن گئی۔ پھر کیا کہنا تھا۔ ترقی اور اقبال ان کے جلو میں تھا۔ اسلئے کہ اُن کا دل نور حق سے پُر اور نفسانیت سے مُبرّا تھا۔ انصاف اور عدل اور اعتدال اور راستبازی اُن کے اخلاق کا جزو اعظم بنگیا۔ یہ لوگ جھوٹھ اور وعدہ خلافی اور گھمنڈ کے دشمن بن گئے۔ دُنیا میں اسلام نے سارے انسان کے حقوق کو مساوی بتایا۔ غلام اور مالک کو برابر برابر بٹھایا۔ بیوی اور لونڈی کو برابری کا رُتبہ عطا کیا۔ خدا کو ایک بتایا اور "لاشریک لہٗ" کا نعرہ بلند کیا دوسرے مذہبوں سے تعرض کرنا گوارا نہیں کیا۔ سہولت اور راستی کو پسند کیا۔ ہادی برحق نے راستہ دکھایا اور لوگ جوق کے جوق پیچھے ہو لئے۔ دل میں غرور نہیں میل نہیں۔ ظاہری صورت سیدھی سادی۔ دماغ علم سے مُنوّر۔ عادات سادے۔ سب کے سب جفاکشی کے دیوتے اسلام نے خداے تعالےٰ کی پہچان جس تفصیل اور وضاحت کے ساتھ بتلائی ہے اوسقدر شاید ہی کسی مذہب نے اسبارہ میں کوشش کی ہو۔ مثلاً خدا تعالیٰ کو ایک مانو اور جناب پیغمبر صاحب کو خدا کا "مرسل" "نبی جانو" قیامت برحق ہے۔ خدا کے احکام ضرور ہی پورے ہوتے ہیں۔ ان ہی سادے سُودے اُصول پر اسلام اپنے مذہب کی بنیاد رکھتا ہے۔ جسقدر سادہ ہے اوسیقدر تمام ممالک اور تمام حالتوں کے لئے موزوں بھی ہے ایک جاہل شخص بھی اسلام پر جان دیتا ہے اور ایک عالم بھی اُس پر ایمان رکھتا ہے۔ اسلام نے تمام انبیاء مرسلین یعنی نبیوں کے رُتبہ میں فرق نہیں بتایا ہے اور نہ کمی لانے کی کوشش کی ہے۔ بلکہ برخلاف اس کے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ تمام پیغمبروں کے مرتبہ کو پہچانے اور اون کا ادب دل سے کرتا رہے۔

قرآن مجید نے لوگوں کی آنکھیں کھولدیں کہ مثل اندھوں کے اب نہ رہو بلکہ آنکھ کھولو اور روشنی میں چلو۔ اُس نے اخلاق حمیدہ سے دلوں کو بھر دیا۔ گرم کو نرم کیا اور کھولتے ہوئے دیگچے کے نیچے سے آگ نکالدی اور دیگچہ کے ہر چہار طرف برف لگا دیا۔ خانہ جنگیوں کی جڑیں اوڑادیں اور خلوص اور محبت سے مزاجوں کو ٹھنڈا کر دیا۔ علم کی جانب نہایت تاکید کی

توجہ دلائی - اور خدا کی قدرت کو پہچانوایا - کام کی رغبت دلائی - افراط تفریط سے بچایا فضول خرچی سے روکا اور بخالت کو بھی بُرا بتلایا - انسانی فطرت پر ہر جگہہ لحاظ کیا - اور ایسے احکام اوتارے جو عمل میں آسکیں نہ کہ ایسے جو طاقچہ میں پڑے سوکھیں - ترقی اور کسب کمال کی رغبت دلائی اور محنت اور مزدوری کو اچھا بتایا - خدا کے ان احسانات پر بھی مسلمان ہونیکا دعویٰ کرو - اور قرآن مجید سمجھکر نہ پڑھو تو بھلا کس کا قصور ہے - پڑھو تو سمجھہ کے پڑھو - حتی الامکان عمل کرو -

جناب پیغمبر خدا کے حالات معتبر کتابوں میں دیکھو اور موازنہ کرو کہ اون کے اصلی اوصاف کیا تھے اور دوسروں نے کیا دکھایا ہے یا جو مدایح کہ اون کی اصل میں ہونی چاہئیں اون کو کیا نسبت ہے اون مبالغہ آمیز نثاری اور شاعری سے جو بلا ضرورت ایک سچے واقعہ کی بابت خرچ کی گئی ہے - اون کی زندگی کے حالات، اون کا اخلاق، اون کی خندہ پیشانی، ہمدردی، سلوک، غربا پروری، بیواؤں کے ساتھ سلوک، یتیم کے ساتھ شفقت، محتاج کی امداد، تکلیف میں مبتلا شدہ کی رفاقت، بردباری، تحمل، دُوراندیشی، خلوص، دوست پرستی، عزیز نوازی، قوم کا خیال "اُمتی اُمتی" کی صدا، کہاں تک گن سکتے ہیں - یہ سب صحیح تاریخی واقعات کیا کم ہیں کہ جو ہم ذرا بھی مبالغہ کو کام میں لادیں -

دشمن سے ساتھ سلوک کون کرتا ہے؟ فتح کے بعد مفتوح کے قصور بالکل معاف کون کرتا ہے؟ تحمل کی ایسی مثالیں کون پیش کرتا ہے؟ غصہ کو کون دباتا ہے؟ حلم اور کرم سے کون کام لیتا ہے؟ بیشک خدا تعالے نے "رحمت للعالمین" انسان پر بھیجا ہے بُرائی کا بدلہ اچھائی سے کون کرتا ہے؟ حالت غیظ وغضب میں نفس امارہ یعنی شیطان پر لعنت کون بھیجتا ہے؟ اور خدا کی یاد کون کرتا ہے؟ اور خدا کا شکر یہ خدا کے سامنے عاجزی، اور فروتنی، خدا سے مراد کی طلب - خدا ہی پر بھروسہ کرنا - یہ کون سکھاتا ہے؟ یہ سب سبق ہمارے پیغمبر صاحب نے بدرجہ احسن سکھائے ہیں - جو اپنی قوم کے "امین" تھے اور رحمت للعالمین تھے

قرآن مجید کی تلاوت

آسمانی کتابیں چند قوموں پر اوتریں۔ مثلاً توریت حضرت موسیٰ پر اور انجیل حضرت عیسیٰ پر۔ ان کو ان پیغمبروں نے اپنی قوم میں پیش کیا۔ لوگ جو دین موسوی کے یا دین عیسوی کے پیرو ہوئے وہ ان پر ایمان لائے اور ان آسمانی کتابوں کو اپنا رہنما بنایا۔ ہمارے پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی آسمانی کتاب آئی۔ اس پاک کتاب میں پچھلی آسمانی کتابوں کا مفصل اور صاف صاف ذکر ہے۔ ان پیغمبروں کا صراحت کے ساتھ حال اس میں درج ہے۔ قرآن مجید پر چودہ سو۱۴۰۰ برس سے تمام مسلمانوں کا ایمان ہے۔ اس کی حفاظت کا ذمہ دار خود باری تعالیٰ ہے اور اوس نے فرمایا ہے۔ کہ یہ ایمان والوں کے لئے دار وے شفا ہے۔ اس سے نیک اور بد میں تمیز ہوتی ہے۔ اندھیرے سے نکلتے ہیں اور روشنی میں چلتے ہیں۔ اس کلام پاک میں انسان کو دینی اور بیشتر دنیوی امور میں راستہ دکھایا گیا ہے۔ اور سارے مسلمان ان رستوں پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں۔

حافظوں نے اس کلام پاک کو از بر یاد کر لیا ہے۔ جنکو ہر آیت یاد ہے۔ اور اس سبب سے قرآن مجید کی حفاظت میں جو مدد غیبی ہے۔ وہ کسی اور آسمانی کتاب کے تحفظ میں نہیں ہے دیگر مذہبی کتابوں کے جملے لوگوں کو یاد ہوں مگر ساری کتاب مشکل سے از بر ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمائی ہے کہ کتاب پاک کو پڑھو اور ٹھیر ٹھیر کر پڑھتے رہو۔ اس کلام پاک کو نہایت ادب سے باطمینان پڑھنا چاہیئے۔ وضو کر لینا چاہیئے۔ اس کلام پاک نے کتنے سنگدلوں کے دل موم کر دیئے ہیں۔ بڑے بڑے جلیل القدر خلیفہ اور بادشاہ جن کو دنیا کے کسی بادشاہ نے نہیں دبایا تھا اون کے بھی دل ہلگئے ہیں۔ اور آنسوں کے تار بندھ گئے ہیں خلیفہ حضرت عمر راتوں کو گشت میں جب نکلتے تھے اور اس کلام کو پڑھتا سنتے تھے تو گھنٹوں حالت وجد میں رہتے تھے۔ اور اوس اللہ پاک کی عظمت کے سامنے اپنی بے بسی کا یقین کرتے تھے اور

زار زار روتے جاتے تھے۔ اس کلام پاک میں ابتک اتنی صدیاں گذرنے پر بھی وہی اثر باقی ہے اور تا قیامت وہی رہے گا جو اول روز تھا۔ اہل عرب اس پر جان دیتے ہیں اور سارے مسلمانوں کا ایمان اسی پر ہے اور تا قیامت رہیگا۔ قرآن مجید کے اوصاف ان باتوں میں نادر نظر آتے ہیں۔ اوّل تو اوس کی نہایت صاف اور شستہ زبان جو دل پر موثر کن ہے فصاحت و بلاغت سے اثر ڈالتی ہے۔ دوم اوس کے دینیات کے متعلق کامل اصول سوم اوسکے اخلاق اور تمدنی اصول چہارم اوسکے مکمل قانون سیاست اور انتظام کے اصول۔ شق اول سے نفع تو محض اونہیں کو ہے جو قرآن مجید عربی دانی کے باعث خوب سمجھ سکتے ہیں اور اوسکی فصاحت و بلاغت کے اصولوں سے واقف ہیں یعنی جو عربی داں قرآن مجید کو سنتا ہے تو ہمیں اسقدر کمال بلاغت اور فصاحت الفاظ کے دہ زور پاتا ہے جو اوسکو یقین دلاتے ہیں کہ قرآن مجید کی زبان اور اوس کے معنی خود معجزہ اور کلام ربانی ہیں۔ بقیہ تینوں اوصاف کو ہر شخص خواہ عربی داں ہے یا نہیں بخوبی جان سکتا ہے۔ اوسکے اخلاق پر عیسائی اور دیگر مذاہب کے غیر متعصب پیرو قائل ہوجاتے ہیں۔ بڑے سے بڑا عالم بھی ان کو کامل پاتا ہے اور ایک جاہل بھی فائدہ مند جانتا ہے۔ عرب کے لوگ اسکی نزول کے زمانہ میں بڑے فصیح و شاعر تھے۔ انکو اپنی بلاغت اور فصاحت پر بڑا ناز تھا۔ مگر اس کلام پاک کے جملوں نے اون کو مسلمان بنایا۔ اپنی صدیوں کی وضع و طرز زندگی کو انہوں نے خیرباد کہا ہے اور دل سے پکے مسلمان ہوگئے ہیں۔ انسانی فصاحت و بلاغت کو ایک قصہ ماضی سمجھکر چھوڑ بیٹھے ہیں۔ عربوں نے اسلام کو کسی کی خاطر سے یا کسی کے دباؤ سے نہیں قبول کیا تھا بلکہ اونھوں نے بڑی مخالفتیں کیں تھیں صبح تک اسلام کو مٹانے کی فکروں میں تھے۔ مگر پھر بھی اون کا مسلمان ہوجانا محض قرآن مجید کی بلاغت و فصاحت سے ظہور میں آیا۔ اور اوسکی سچائی اُنکے دل میں گھر کر گئی۔ اور اب تک اہل اسلام اسپر ناز کرتے ہیں۔ اُن کے دل اوسکو پڑھکر رقیق ہوجاتے ہیں۔ اس کے اثر سے بد اطواریاں چھوٹ گئی ہیں۔ اوس کے بدلے نیک عادات اچھے اوصاف پیدا ہوگئے ہیں عرب

جنکو نہ تو حوصلہ ہی تھا اور نہ جن کے قدم ملک کے باہر گئے تھے اور جو خودبینی میں مست رہتے تھے اور جو عادات و اطوار میں ذلیل و خوار تھے وہ لوگ ایسے بن گئے کہ جو بقول مولانا حالی ؒ

جسے آج رد کر چکے تھے وہ پتھر ہوئے جاکے قایم وہ آخر سرے پر

اہل یورپ اور اہل امریکہ بھی آج اس کلام پاک کو بنظر غور دیکھتے ہیں۔ بعض محض نکتہ چینی کرکے خوش ہو لیتے ہوں۔ مگر بڑے بڑے عالم اسپر متحیر اور بحالت تعجب میں آجاتے ہیں۔ ان ملکوں میں بھی اب چند نفوس مسلمان ہو گئے اور اون کے دلوں پر بھی اس کلام پاک کا اثر پڑتا جاتا ہے چار دانگ عالم میں اس کلام پاک کو عزت اور توجہ سے دیکھتے ہیں۔ اور افریقہ کے بعض مقامات پر اس کا اثر اسقدر زیادہ پڑا ہے کہ لوگ جوق کے جوق اس پر ایمان لاتے جاتے ہیں۔ قرآن مجید نے عورت اور مردوں کے حقوق کو شرح و بسط سے بیان کیا ہے عورتوں کے حقوق اسدرجہ بلند کیئے ہیں کہ جسقدر کسی ملک میں اسلام سے پہلے نہ تھے قرآن مجید نے سارے انسان کو ایک مساوی درجہ پر رکھا ہے۔ نہ کوئی بڑا ہے اور نہ کوئی چھوٹا۔ بادشاہ اور فقیر اوسکے سامنے برابر ہیں۔ باپ ماں کی تعظیم دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک، ہمسایہ کے حقوق بیوی کے حقوق، شوہر کی فرمانبرداری، اعزا کی پرورش، بادشاہ وقت کی اطاعت اسلام نے ہر شخص پر لازم کردی ہے۔ غلام کے ساتھ نرمی اور اون کے ساتھ ملائمت پر خاص توجہ دلائی ہے۔ یتیموں پر خاص عنایات کرنے کا اور ان پر شفقت رکھنے کا سبق دیا ہے۔ ملک کے اندر فتنہ و فساد پیدا کرنے کو سختی کے ساتھ منع کیا ہے ہر مسلم پر امن پرستی لازم کردی ہے۔

ہمارے پیغمبر صلی اللہ والہ وسلم کی شان کے متعلق شاعر نے کہا ہے۔

یا صاحب الجمال و یا سید البشر — من وجہک المنیر لقد نور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقہ — بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

عرب میں اسلام کا ظہور

عرب ایک جزیرہ نما ملک ہے جو تین طرف سے پانی سے گھرا ہے اور ایک طرف خشکی سے اس کا پیوند ملا ہے۔ یہاں کے لوگ خلقتاً آزادی پسند اور بے باک رہے ہیں۔ دوسرے کی تابعداری سے ان کو ہمیشہ سے گریز رہا ہے۔ قول کے سچے۔ گرصندی اور بے خوف، مہماں نواز، اور محسن پرست، ہمیشہ سے رہے ہیں۔ قبل اسلام کے ظہور کے ان کے اطوار نہایت خراب تھے۔ عادات بڑے، روش بُری، اور ہر طرح انکی حالت قابل افسوس تھی کُشت وخون گویا آئے دن ہوتا رہتا تھا۔ اور دوسرے کو مار ڈالنا ذرا بھی سنگین واردات نہیں سمجھی جاتی تھی۔ بت پرست تھے، ستاروں کی روش پر ان کا معتقد رکھا تھا۔ ٹوٹکے اور جادو، سحر پر ان کا پُرانا اعتقاد جما چلا آتا تھا جوا کھیلنا اور بدوضعی انکے خمیر میں داخل ہوگئی تھی۔ بات بات پر لڑتے مرتے تھے اون کے حوصلے نہایت پست تھے ہمت نہایت کم تھی۔ "قوم" کے اصلی معنی انکی سمجھ سے کوسوں دور تھے۔ اس حالتیں گرفتار تھے جبکہ ہمارے جناب پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم ساتویں صدی عیسوی میں مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ جناب پیغمبر صاحب پر ان کی بداطواری سے کمال درجہ غم وفکر طاری رہتا تھا۔ آنحضرت ان کا کوئی بھی رویہ جادہ اعتدال پر نہ پاتے تھے۔ کیونکہ اوسوقت حق سے منحرف اور باطل کا شیدا سارا عرب بنا ہوا تھا۔ جناب پیغمبر صاحب نے اس ذلیل اور پست قوم کو کیا سے کیا بنا دیا تاریخ کے صفحات روز ابد تک بتاتے رہیں گے۔ ان کے مذہب کو بدلا۔ انکو حق سے ملایا اور ناحق سے الگ کردیا۔ بتوں اور کواکب پرستی کو ان سے چھوڑا دیا۔ گویا کہ قوم نے بدقت تمام اپنی پرانی روش سے انحراف کرنا پسند کیا تھا۔ جھگڑے بھول گئے اور سب بھائی بھائی بنگئے لوگ جو یگانگت سے دور تھے وہ ایک قوم واحد کے اجزا بن گئے ۵

شفیعؐ مطاعؐ نبیؐ کریم قسیمؐ جسیمؐ نسیمؐ وسیم

ان کا حوصلہ بالا ہوگیا، ہمتیں بلند ہیں اور دنیا ایک وسیع جولانگاہ نظر آنے لگا۔ قومی

ترقی کا خیال ہر دل میں جوش مارنے لگا۔ آزادی جو اون کے خون میں تھی وہ اپنا کام کر گئی۔ اونہوں نے سلطنت کی شروع بنیاد جمہوری اصول پر قایم کی یعنی ہر شخص کو سلطنت کے معاملہ میں دخل تھا واقعات اون سے بیان کئے جاتے اور اون میں سے جو ممتاز گروہ تھا اوس سے مشورہ لیکر سلطنت کے کاروبار چلائے جاتے تھے۔

موجودہ جمہوری ریاستوں کے پریزیڈنٹ کہلاتے ہیں وہ اوائل اسلامی سلطنت کے خلیفہ کہلاتے تھے۔

ہمارے پیغمبر صاحب صلعم نے علم کی طرف رغبت دلائی اور نتیجہ یہ ہوا کہ علم میں مسلمانوں نے کچھ کم کمال نہیں حاصل کیا۔ غیروں کے علوم سیکھے اور جو معدوم ہو چلے تھے اون کو پھر سے جلایا۔ خود ایجادیں کیں۔ نئے نئے فن اور علم کے مسلمان موجد ہے۔ مثلاً قانون بنانا اور ملک کی حالت پر نگاہ رکھنا غرضکہ سارے اصول عملداری اور حکومت کو مسلمانوں نے جانا تھا۔ اور صدیوں اون پر عمل کیا تھا۔ جناب پیغمبر صاحب صلعم چونکہ خاتم المرسلین تھے اسلئے اون کو قسم قسم کے فرائض ایک ساتھ ادا کرنا پڑے ہیں۔ مذہب تمدن اخلاق صحت کسب معاش اصول حکومت وغیرہ ہزاروں امور میں تمامی اہل جہاں پر اون کے احسانات تا قیامت باقی رہیں گے۔ مذہبی اعتبار سے وہ نبی کریم تھے۔ اور دنیوی معاملات میں رہبری کرنے سے اون کا پایہ بحیثیت ایک عظیم الشان "ریفارمر" کے بہت بلند ہمیشہ رہیگا۔ خود قرآن مجید انسان کی رہبری کرنے کو بالکل کافی ہے اوس پر جناب پیغمبر صاحب کے اقوال اور اون کی زندگی کے حالات دنیوی امور میں انسان کی رہبری کے لئے اور بھی زیادہ روشن چراغ ہدایت ہیں۔ مذہب کی بنیاد ان پاک "سچے" اور سادہ اصولوں پر ہے جنکو انسان ہر ملک ہر جگہہ ہر حالت میں رہکر عمل کر سکتا ہے۔ احکام ایسکے آسان عطا ہوئے ہیں تاکہ اون کی پابندی چنداں ناگوار کسیکو نہ ہو سکے۔ بداطواری اور بدوضعی اور بداخلاقی کی جڑ ہمارے رہبر صادق نے کھود ڈالی ہے۔ برعکس ایسکے خوش معاملگی، لین دین کی صفائی، اپنے پرائے کا خیال، اپنے مال اور دوسرے کے

مال میں تفریق بیوہ کے ساتھ سلوک یتیم پر شفقت راہگیر کے ساتھ امداد قیدی کے ساتھ ہمدردی ماں اور باپ کے ساتھ اطاعت اور محبت شوہر کے ساتھ عورت کی فرمانبرداری شوہر کو عدل اور اعتدال اور حسن معاشرت کی فہمایش و نیز چند در چند دیگر احکامات یہاں پر یہ چند بیان ہو سکتے ہیں جو اس عظیم الشان رہبر نے چودہ سو برس سے نہایت کامیابی کے ساتھ سکھایا ہے۔ نشہ اور جوئے سے قطعاً منع کر دیا ہے۔ آج شایستہ قومیں ان عیوب کے پیدا ہونے پر روتی ہیں اور اُن کے دفعیہ کی تدابیر تجویز کرتی ہیں۔

اب تک یہ واقعات درپیش ہیں کہ ایک طرف تو انگلستان اور امریکہ جیسے شایستگی اور تعلیم کے معراج کمال تک پہونچے ہوئے ملکوں میں اور دوسری طرف افریقہ کی جنگلی زندگی بسر کرنے والے نیم وحشیوں میں بسرعت تمام اسلام پھیلتا چلا جاتا ہے۔

اسلام نے نہایت فراخ حوصلگی سے ساری آسمانی کتابوں اور پیغمبروں کو قابل تعظیم بتلایا ہے۔

اسلام کے پاک احکام

قرآن مجید میں احکام جو نازل ہوئے ہیں اون کی خوبیاں بیان کرنے کی حاجت نہیں ہے محض غور سے پڑھنے اور اون پر عمل کرنے سے بخوبی معلوم ہو سکتی ہیں۔ قرآن مجید میں حکم آیا ہے "کہ درگذر کا شیوہ اختیار کرو اور لوگوں سے نیک کام کرنے کو کہو۔ اور جاہلوں سے کنارہ کش رہو" اس حکم کے متعلق زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس پاک حکم کی خوبی خود روشن ہے۔ راست گوئی کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ "مسلمانو۔ خدا سے ڈرو اور سچ بولنے والوں کے ساتھ رہو" اس سے بہتر سبق راست گوئی کے واسطے کیا ہو سکتا ہے۔

پھر ارشاد ہوا ہے کہ "اور آسمان اور زمین میں (قدرت خدا کی) کتنی نشانیاں ہیں جن پر لوگ ہو کر گذر جاتے ہیں۔ اور وہ اُن کی کچھہ پروا نہیں کرتے" در اصل کلام ربانی ہم کو

متوجہ کرتا ہے کہ قدرت الٰہی کے مناظر کو ہم بغور دیکھا کریں اور سبق اون سے لیں۔ انسان آسمان کو روزمرّہ رات کو دیکھتا ہے مگر کسقدر بے سود اوس کا دیکھنا ہے۔ سارے قدرت کے تماشے بے سود اوس کے پیش نظر رہتے ہیں۔ اور وہ اُن پر غور نہیں کرتا ہے پھر انکساری پر یوں متوجہ کیا ہے" اور زمین پر اکڑ کر نہ چلا کر کیونکہ تو زمین کو پھاڑ نہیں سکتا ہے اور نہ پہاڑوں کی لمبائی کو ہی پہونچ سکتا ہے"۔

ہم کو خدا تعالیٰ سے دین دنیا کی بہبودی کے لئے دعا کرتے رہنے کو ارشاد ہوا ہے اور وہی ذات پاک دعا کی قبول کرنے والی ہے۔ دعا کرنے میں یہ بھی شامل کیا کرو۔ اور دعا کرتے رہو کہ" اے میرے پروردگار مجھے اور زیادہ علم نصیب کر"۔ کیونکہ بقول سعدی علیہ الرحمۃ ع
کہ بے علم نتواں خدا را شناخت"۔

قدرت کے کرشمے نہایت اہم اصولوں پر مبنی ہیں محض لوگوں کے خوش کرنے یا تماشا دکھانے کو نہیں پیدا کئے گئے ہیں۔ اس مضمون پر یوں ارشاد ہے کہ" ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے اوسکو کھیل کے لئے نہیں پیدا کیا ہے"۔ قدرت کو اہم معاملات سے تعلق قدرت کی شان کھیل تماشے سے کوسوں دُور ہے۔ دُنیا کی بے ثباتی اور انقلاب زمانہ کی طرف یوں اشارہ ہوا ہے کہ" ہر ایک جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور ہم تم کو بُری اور بھلی حالتوں میں رکھکر آزماتے ہیں اور تم کو ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے"۔ اچھی حالت میں بھی آزمایش ہے بقول شاعر" گر بدولت برسی مست نگردی مردی" اور تکلیف میں تو دراصل بڑی آزمایش انسان کی قوت برداشت کی ہوجاتی ہے۔ اور پھر نتیجہ سب کا ایک ہے یعنی کہ خدا کی طرف لوٹنا سب کو یکساں ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے تاکہ انسان کو تکلیف میں تسلّی رہے" اللہ ہی کا سہارا پکڑو وہی تمہارا کارساز ہے۔ کیا اچھا کارساز ہے اور کیا ہی اچھا مددگار"۔ ان الفاظ میں قلب کو کس درجہ راحت ہوتی ہے۔ اپنے دل سے پوچھو۔ اعانت اور عہد و پیمان، پاس داری پر یوں توجہ دلائی گئی ہے۔ "وُہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس ملحوظ رکھتے ہیں" وہی اللہ

تعالیٰ کے مقبول بندے ہیں۔ پھر ارشاد ہے کہ "اپنی نظروں کو نیچے رکھو اور عصمت کے محافظ رہو" اور عورتیں زیوروں کو دکھاتی نہ پھریں" پھر بیوہ کے نکاح ثانی کے متعلق ارشاد ہوا ہی کہ "انکحوا الایامی" یعنی رانڈوں کا نکاح کر دو۔ اس حکم کی مصلحتیں دنیا جہاں پر روشن ہیں۔ ہمکو ارشاد ہے کہ خدا کے بندے وہ ہیں "جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلیں اور جب جاہل اون سے جہالت کی باتیں کریں تو کنارہ کش ہو جاویں اور بات کو طول ندیں۔ بلکہ وہیں بات ختم کریں۔ اور جو خرچ کرنے لگیں تو فضول خرچی نہ کریں اور نہ بہت تنگی ہی کریں بلکہ اون کا خرچ افراط اور تفریط کے درمیان بیچ کی راس کا ہو اور جو جھوٹی گواہی ندیں۔ یہی لوگ نیکی سے بدی کا دفعیہ کرتے ہیں اور ہم نے جو ان کو دیا ہے انہیں سے خرچ کرتے ہیں" والدین کے ساتھ برتاؤ کے بارہ میں ارشاد ہے کہ اوسی کی نشانیوں سے ہے کہ اوس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کی بیبیاں پیدا کیں تاکہ تم کو اون سے راحت پہونچے اور تم میں پیار اور اخلاص پیدا کیا۔ اللہ کے نیک بندے ایسے ہوتے ہیں جو بڑی بڑی گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے کنارہ کش ہوں اور جب غصہ آجاتا ہے تو درگذر کرتے ہوں اور وہ لوگ جو اپنے پروردگار کا حکم مانتے ہوں۔ نماز پڑھتے ہوں۔ اور اون کے کام آپس کے مشورہ سے ہوتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ نے اون کو دے رکھا ہے اوس میں سے خرچ کرتے ہیں ہم مسلمانوں کو ارشاد ہے کہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں تو اپنے دو بھائیوں میں میل جول کرا دیا کرو "مسلمانو مرد مردوں پر نہ ہنسیں عجب نہیں کہ وہ اُن سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں پر ہنسیں عجب نہیں کہ وہ اون سے بہتر ہوں۔ اور آپس میں ایک دوسرے کو طعنے نہ دو اور نہ ایک دوسرے کو نام دہرو" یہ کسقدر اخلاقی سبق انسان کے لئے ہیں۔ کون ذی عقل اُن پر حرف رکھ سکتا ہے۔ "ونحن اقرب الیہ من حبل الورید" یعنی "ہم شہ رگ سے بھی زیادہ اوس سے قریب ہیں" پھر ارشاد ہے کہ ہر شخص اپنے عمل کے بدلے میں گرو ہے۔ انسان کو اوتنا ہی ملے گا جتنی اوس نے کوشش کی ہے ارشاد ہے کہ کوئی نعمت خدا تم کو عطا کرے تو اتراؤ مت اور کوئی چیز جاتی رہے تو اوس کا رنج نہ کرو ارشاد ہے کہ "اللہ منصفانہ برتاؤ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے" انسان کا قول اور فعل ایک ہونا چاہیے۔

ارشاد ہوا ہے کہ ایسی بات کیوں کہہ بیٹھتے ہو جو تم کرکے نہیں دکھاتے۔ اللہ کو سخت ناپسند ہے کہ کہو تو بہت کچھ اور کرو نہیں۔ ارشاد ہے کہ "بیجا خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں"۔ ارشاد ہے کہ "اللہ کی عبادت کرو اور اسکے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھیراؤ اور ماں باپ، اور قرابت مندوں، اور یتیموں، اور محتاجوں، اور قرابت والوں پڑوسیوں، اور اجنبی پڑوسیوں، اور پاس کے بیٹھنے والوں، اور مسافروں، اور جو تمہارے قبضہ میں ہوں، اون کے ساتھ سلوک کرتے رہو۔ اللہ ان لوگوں کو دوست نہیں رکھتا جو اترائیں اور بڑائی مارتے پھریں۔ آپ بخل کریں لوگوں کو بھی بخل کرنے کو کہیں اور اللہ نے جو دے رکھا ہے اوسے چھپاویں۔ جو ناشکری کریں ذلت کا عذاب اون کے لئے تیار کر رکھا ہے" پھر ارشاد ہے کہ "بیبیوں کے ساتھ حسن سلوک سے رہو سہو۔ اور تم کو بی بی ناپسند ہو تو عجب نہیں کہ تم کو ایک چیز ناپسند ہو اور اللہ تمہیں بہت سی خیر و برکت دیوے" زن و شو کے نازک تعلق کو یوں شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ "تمہاری بیبیاں تمہاری کھیتیاں ہیں۔ تو اپنی کھیتی میں جس طرح سے چاہو آؤ اور اپنے لئے آیندہ کا بھی بندوبست رکھو" جو رو تمہارے دامن ہیں اور تم اون کی چولی ہو" مسلمانوں! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آگ سے بچاؤ" اسلام ان احکامات کو پیش کرتا ہے اور اہل اسلام کو ان پر عمل کرنے کو حکم دیتا ہے جب ٹھنڈے دل سے ان پر غور کرتے ہیں تو سر تسلیم خم کر دیتے ہیں۔

تحصیل علم کا شوق

چو شمع از پئے علم باید گداخت ۔۔۔ کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

علم حاصل کرنے کو ہمت اور محنت درکار ہے۔ دنیا کا کوئی کام ادنیٰ ہو یا اعلیٰ بلا ہمت اور محنت کے حاصل نہیں ہوتا ہے۔ علم تو گویا کہ ایک بڑی نعمت ہے اس کے حاصل کرنے میں استقلال اور لگاتار محنت کی ضرورت پڑتی ہے۔ ایک دن کا کام نہیں ہے بلکہ سالہا سال کی کوشش سے اس میں کامیابی ممکن ہے۔ علم بغیر ان دنوں زندگی مشکل ہے۔ جیسے کہ غذا اور ہوا زیست کے لئے

ہمیشہ سے ضروری تھے ۔ اب علم بھی اون سے کم ضروری نہیں ہے ۔ علم پہلے محدود گروہ میں تھا اور ہر خاص و عام تک نہیں پھیلا تھا ۔ مگر اب مزدوری کرنے کو بھی سلیقہ اور واقفیت درکار ہے بڑھئی کا کام وہی بخوبی انجام دیسکتا ہے جو اوس فن کے اصولوں سے ماہر ہو ورنہ اوس کی زندگی نہ خوش رہ سکتی ہے اور نہ زیادہ کامیابی اپنے فن میں ہی پیدا کرسکتا ہے ۔

علم خواہ معلّم کی تعلیم سے آوے یا علم از خود حاصل کرلیا جاوے ۔ مگر بغیر علم کے کسی صیغہ میں اس زمانہ میں کامیابی ناممکن اگر نہیں تو دشوار ضرور ہو جاتی ہے ۔

تمہارے لئے کتابیں وہ ذریعہ ہیں کہ خواہ اوستاد نہ بھی ہو مگر بغور پڑھنے اور اون پر عمل کرنے سے تم کامیاب ہو سکتے ہو ۔ در اصل یہ نہایت قابل تحسین امر ہے کہ تم محض اپنے دماغ اور کتابوں کی بے زبان امداد سے کامیاب ہو ۔ گویا کہ تم خود اپنے آپ معلم اور اُستاد ہو اور خود ہی شاگرد بھی ہو ۔ کتابیں گویا کہ ایک غیر فانی بیش قیمت خزانہ ہیں جن میں تواریخ گذشتہ کے حالات پاتے ہو جنمیں قوموں اور نسلوں کا عروج اور زوال درج ہے ۔ کتابوں ہی میں گذشتہ اسلاف کے کارنامے درج ہیں ۔ جن کے مطالعہ سے اون کی روش پر چلنے کا حوصلہ ہوتا ہے ان ہی میں گذشتہ حکما اور فلسفیوں کے تجربے اور مشاہدات درج ملیں گے ۔ ان ہی میں قدرت باری تعالیٰ کی تفصیل پاؤگے جن کو بغیر ان کی مدد کے شاید تم کبھی نہ جان سکو یا ایک عرصہ دراز میں جانو ۔ ان ہی کے دیکھنے سے اپنی اپنی دقتوں اور مشکلوں سے مقابلہ کرنے کی صورت تلاش کر پاؤگے ۔ یہی کتابیں تمہاری مونس تنہائی ہیں اور ہمدرد ۔ ان کے مطالعہ سے ہمارے حوصلے بلند ہوتے ہیں اور ہمت بندھی رہیگی خیالات بالا ہوں گے اور ترقی کرسکوگے ۔ یہ خیال محض ناقص ہے کہ مرد علم حاصل کرلیں مگر لڑکیوں کو اسقدر زحمت اوٹھانے سے کیا نفع ہوگا ؟ نوکری یا کما کھانا گو علم سے بہت زیادہ ممکن ہو جاتا ہی مگر علم خود ہی اسقدر قابل قدر شے ہے کہ جو بلا کسی خاص غرض و مدعا کے حاصل کرنا چاہئے ۔ علم بغیر نہ تو لڑکی اپنے گھر کو درست کرسکتی ہے ۔ نہ اوس میں عاقبت اندیشی ہی پیدا ہو سکتی ہے نہ تو خود خوش رہ سکتی ہے اور نہ دوسرے ہی کا دل بہلا سکتی ہے ۔ نہ رفیق بن سکتی ہے اور نہ

مردوں کی واقعی مددگار۔ جاہل لڑکیاں ہمیشہ اپنے کو تعلیم یافتہ ہمعصروں میں ذلیل اور خوار پاوینگی لوگ اون پر ہنسیں گے اور خود بھی دل ہی دل میں شرمندہ ہوتی رہنگی۔ کتابیں گویا کہ تمہاری سچی رفیق ہیں۔ اگر دوست تمہارے اچھے ہیں تو تم بھی اچھے بنے رہو گے اور چاہے تم کتنے ہی اچھے ہو مگر بُری صحبت تم کو بھی بُرا بنا کے چھوڑے گی۔

صحبتِ صالح ترا صالح کند　　صحبتِ طالح ترا طالح کند

اسی طرح پر اچھی کتابیں پڑھنے سے نیک دل رہو گے۔ مگر خراب ناول کے مطالعہ سے دل میں بُرا اثر پیدا ہوتا جاوے گا۔ عادات خراب پڑینگی۔ ارمان خراب پیدا ہونگے۔ خیالی دُنیا میں زیادہ رہو گے اور ناول کے ہیرو کے مثل بار بار مرجانا اور پھر زندہ ہوجانا ان تماشاؤں میں زندگی بسر کرنی پسند کرنے لگو گے۔

پس نہایت ضروری امر ہے کہ کتابیں جو پڑھو اوس میں اچھے اور بُرے کی تمیز ضرور ہونی چاہیئے اگر خود تمیز نہیں کرسکتے ہو تو اپنے بڑوں سے تجویز کرا کے پڑھو۔

دنیا کے حالاتِ دلچسپ جن کتابوں میں ہوں (بشرطیکہ وہ حالات ہوں جو واقعات کی تصویر ہوں نہ کہ محض خیالی اور لاحاصل در دسری ہول) ان کا مطالعہ تمکو ہمیشہ دلچسپ معلوم ہوگا تم کو کیا پڑھنا چاہیئے؟ اور کس خاص علم میں پوری دستگاہ پیدا کرنی چاہیئے؟ اس کا جواب بہت زیادہ تمہاری خود اُفتادِ طبیعت پر اور تمہارے وسایل پر منحصر ہے۔ ایک بڑے عالم کا مشہور مقولہ ہے کہ علم "قدرے قدرے ہر صیغہ کا اور مکمل علم کسی خاص صیغہ کا" ہر تعلیم یافتہ انسان کے لیئے بہتر ہے۔ یعنی کہ دنیا میں تعلیم یافتہ کہلانے کو درکار ہے کہ ہر صیغہ میں دس پانچ ضروری باتیں تمکو معلوم ہوں تا کہ اون صیغوں کے تذکرہ پر بند نہ ہو سکو مگر نہایت ضروری امر یہ ہے کہ کسی خاص فن یا صیغہ میں پوری پوری دستگاہ اور مہارت رکھو۔ کیونکہ بغیر اس کے نہ تو کامیاب ہو سکے اور نہ محنت کا پھل پاؤ گے۔ جو لڑکا کتابوں کی احتیاط نہیں کرسکتا ہے اور صاف ستھرا نہیں رکھتا ہے وہ اپنی بدشوقی کی دلیل ہر وقت پیش کرتا رہتا ہے۔ احتیاط سے رکھو، احتیاط سے پڑھو، اور

حفاظت کرتے رہو۔ دل لگانے پر تحصیل علم موقوف ہے اگر بلا دل کے لگائے ہوئے عمر بھر بھی پڑھے جاؤ گے تو کوئی نفع نہیں ہے مگر طبیعت کو حاضر کر کے اور مطالعہ میں ہمہ تن مصروف ہو کے تھوڑا پڑھ لینا بھی بہت ہوتا ہے طبیعت پر زور ڈالنے سے مراد یہ ہے کہ پڑھتے وقت تمام دوسرے خیالات کو نہ آنے دو۔ چند مرتبہ زبردستی سے خیالات کو نکالو اور دل لگا کر مطلب کے سمجھنے کی کوشش کروگے تو پھر خود تمہاری عادت پڑ جاوے گی کہ پڑھتے وقت کوئی امر خلل انداز نہوا کرے گا۔ نظر دوڑانا یا عبارت پڑھ لینے کا نام تحصیل علم نہیں ہے بلکہ مطلب کو پورے طور پر سمجھکر پڑھنا چاہئے اور غور کرنا چاہئے کہ کیا مطلب پیدا ہوا۔ اگر ایک بار نہ سمجھو تو بار بار پڑھو یہاں تک کہ سمجھ جاؤ تب آگے بڑھو یہ طریقہ دراصل علم کے جلد حاصل کرنے کا ہے۔

پڑھ چکو تو ایک بار دل میں دُہرالو کہ کیا کیا آج کا سبق تھا اور کیا مطلب سمجھے ہو۔ غور کرنے سے مطلب یاد رہے گا۔ جب طبیعت زور دینے پر بھی پڑھنے کو نہ چاہے تو نہ پڑھو۔ یہ بہتر ہے کہ تحصیل علم میں کم وقت صرف کرو مگر اوس کم وقت میں دنیا جہان سے بے خبر ہو جاؤ۔ علم کے متعلق کہا گیا ہے ؎

بنطق و بعلم آدمی آدم است　　چو علمش نباشد ز حیواں کم است

اخلاق حسنہ

دنیا کو معلوم ہے کہ خوش اخلاقی ایک قیمتی جوہر ہے اور جو اس جوہر کو رکھتا ہے وہ خوش خلق کہلاتا ہے اور جو اس جوہر سے معرا ہے وہ بد اخلاق یا خشک مزاج کہلاتا ہے۔ اخلاق حاصل کرنے کے واسطے تمام مذہبوں نے سخت تاکید کی ہے۔ اور دراصل اس ہی ایک ذریعہ سے اچھے اور برے انسان آسانی کے ساتھ پہچان پڑتے ہیں۔ وحشی یا نیم وحشی قومیں دنیا میں اب تک ذلیل ہیں اور مہذب قومیں دنیا کی سرتاج بنی ہیں۔ ہمارے مذہب میں خوش اخلاقی کے صاف صاف تاکیدی احکام موجود ہیں۔ ہمارے پیغمبر صاحب صلعم کے حالات میں اون کے اخلاق میں

کسرنفسی یعنی ایثار ہیں، اور خیر و برکت کے تشنیع میں ہزاروں مثالیں موجود ہیں۔ اون کا اخلاق دوست سے زیادہ دشمن کے لئے نمایاں و مخصوص ہوتا تھا جس کا ادنیٰ اثر یہ اکثر ہوا ہے کہ بڑے بڑے دشمن سامنے آنے پر سرنگوں ہو گئے تھے۔ اخلاق اگر محض ظاہری ہے تو بھی اچھا ہے مگر جن کے دل پاک ہوتے ہیں اون کے اخلاق محض نمایشی نہیں ہوا کرتے بلکہ اصلی اور بلا تصنع اور حقیقی ہوتے ہیں۔ اخلاق اگر محض عزیزوں کے ہی ساتھ برتا جاوے تو بھی کوئی بُری بات نہیں ہے۔ مگر اخلاق حسنہ تو خاص و عام کے لئے یکساں ہونا چاہیئے۔ دنیا میں انسان کو چونکہ رہنا ہے اور دوسروں کے معاملہ میں ساتھ دینا ہے اور دوسروں سے اعانت لینا ہے۔ لہذا اخلاق کے پاک اصولوں کو مدنظر رکھنا ضروری ہوتا ہے بغیر اس رویہ کے اختیار کئے ہوئے اوس کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے اور دیگر متعلقین کے لئے بھی وہ وبال جان ہو جاتا ہے۔

اپنے گھر والوں اعزا و اقربا سے اخلاق برتنے کی ضرورت کچھ کم نہیں پڑتی ہے۔ ذری ذری باتوں میں اُلجھنا یا خفا ہونا یا مغموم رہنا یا رنجیدہ کرنا یا خود رنجیدہ ہونا یا دوسروں کی اعانت سے گریز کرنا انسان کی زندگی کو اور زیادہ تلخ بناتا رہتا ہے۔ خوش اخلاقی کے لوازمات میں ہے کہ انسان خوش مزاج ہو خدا کی مرضی پر صابر و شاکر رہے۔ غیروں کے ساتھ خوش مزاجی برتنے کی اور بھی زیادہ ضرورت رہتی ہے۔ غیر کو ممکن ہے کہ ذری بے توجہی سے رنج پہونچے اور دراںحالیکہ اعزا اوس کو معاف بھی کر دیں۔ مگر غیر پر تو بُرا اثر جلد پڑ جاتا ہے جب تم کسی کے گھر پر جاؤ تو کوشش کرو کہ میزبان کے دل کو اگر مغموم بھی ہے خوش کر کے لوٹو تاکہ بے ساختہ دل سے یہ دعا نکلے کہ اے وقت تو خوش کہ وقت ما خوش کردی، جب تمہارے گھر پر مہمان آویں تو کوئی دقیقہ اخلاق میں وسعت دینے کا اوٹھا نہ رکھو۔ اون کی تعظیم کرو۔ اون کو بہترین جگہہ پر بٹھاؤ اور اونکی خاطر تواضع کرو۔ سعدی صاحب کا مقولہ کسقدر صحیح ہے کہ "ہند شاخ پرمیوہ سر برزمیں" ایسی باتیں نہ کرو جس سے رنج تازہ ہو یا غم یاد دلا کر دل کو دکھاؤ بلکہ دکھتے ہوئے دل پر شیریں گفتگو کا مرہم رکھو۔ اخلاق کا امتحان گفتگو میں سب سے زیادہ ہوتا ہے۔ ہنسکر بات کرنا اور شیریں گفتاری کسقدر

جلد دل کو تسخیر کر لیتی ہے اور ذری سی تیز گفتگو آگ کو اور تیز کر دیتی ہے۔ اگر تیز گفتگو کی نوبت بھی خدانخواستہ آجاوے تو بھی اوس کو خوش اسلوبی کے ساتھ نباہ دینا سب سے بہتر ہے اور اسی لئے یہ سلیقہ نہایت قابل قدر بھی ہے۔ لوگوں کا آڑے وقت میں ساتھ دینا، اون کے درد و غم میں شریک حال ہونا، عزیزوں کے حال پر ترس کھانا، اور حتی الوسع اونکی امداد کرنا، یہ سب پاک مذہب کے تاکیدی سبق ہیں ؎

دل بدست آور کہ حج اکبر است　　از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است
کعبہ بنیاد خلیل آذر است　　دل گذرگاہ جلیل اکبر است

سن و سال کی رعایت کرنا۔ بے تکلفی کے وقت بھی دوسرے کے مزاج پر نگاہ رکھنا، بزرگ و خورد کا پاس کرنا آسان امر نہیں ہیں۔ معزز مہمانوں کی آمد دیکھکر بعض خاتونیں اس درجہ حیران اور پریشان اون کی مہمانی میں ہوجاتی ہیں کہ خود مہمان کو اسقدر مبالغہ کے ساتھہ مہمان نوازی ناگوار ہونے لگتی ہے۔ حالانکہ اگر میزبان پہلے سے خاطر تواضع کا سامان فراہم رکھتے اور اون کے نوکر خوش سلیقہ ہوتے تو اون کے چہرہ پر بجائے فکر و پریشانی کے مسرت کی شگفتگی ہوتی۔ اور ایسی مہمان نوازی سے خود اون پر اور نیز مہمانوں پر بہتر و خوشگوار اثر پڑتا۔ بعض مہمان دوسرے کے گھر پر غیر ضروری فرمایشات کرنی شروع کر دیتے ہیں۔ اول تو اپنی شان کے نمایاں کرنے کو ایسا کرتے ہیں یا اس امر کے اعلان کرنے کو کہ میزبان کتنی ہی خاطر تواضع کرے۔ پھر بھی کافی نہیں ہے ان صورتوں میں لطف تو بالائے طاق ہوجاتا ہے بلکہ طرفین میں کشاکشی پیدا ہوجاتی ہے۔ دوسرے کے موجودہ سامان کو دیکھکے خوش ہونا چاہیئے اور اگر میزبان نے کچھہ بھی کوشش خاطر داری میں کی ہے تو درصل مشکور ہونا چاہیئے۔ دوسرے کے شوق کی چیزوں کو دیکھنا اور پسندیدگی ظاہر کرنا بھی اخلاق حمیدہ میں داخل ہے۔ نیک صلاح دینی اور نیک کام کے کرنے کی تاکید کرنی بھی ایک حد تک اچھی بات ہے مگر صرف اوسیقدر صلاح دینا یا تاکید کرنا چاہیئے جتنا کہ ضروری ہو اور دوسرے کو بُری نہ معلوم ہو اور اس سے اپنی بڑائی ظاہر نہونے پائے۔

بچوں کو بچپن سے اخلاق سکھانا ضروری ہے تاکہ وہ بڑے ہوکر خوش اخلاق ہوں۔ مگر بچوں کی تعلیم وتربیت میں اس کا بھی لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہے کہ اون پر بیجا سختی نہو۔ مثلاً ہر لحظہ مودب اون کو بٹھانا یا گفتگو کرنے کی اجازت ندینا یا ہر وقت ادب اور تعظیم مد نظر رکھنے پر زجرو توبیخ بھی اچھا اثر نہیں پیدا کرتی ہے ضرورت تعظیم اور ادب سکھانے کی ضرور ہے مگر ہر وقت اور ہر لحظہ اون معصوموں کو ایک جگہ بند میں رکھنے سے اون کے دل کی افتاد اور طبیعت کی روانی مند پڑجاتی ہے وہی لڑکے آگے چلکر بندش سے رہائی پانے پر اور آزادی حاصل کرکے آزادی کا برا اور بیجا استعمال کرنے لگتے ہیں۔ بچوں سے نہایت دلچسپ ملایم اور خوش کن گفتگو کرنی چاہیئے اور خوب باتیں کرنے دینا چاہیئے۔ اور خوب آزادی کے ساتھ کھیلنے دینا چاہیئے۔ بشرطیکہ خراب صحبت میں نہ پڑیں۔ تہذیب کے بڑے رکن ہمیشہ سے اچھے اخلاق رہے ہیں۔ اور قدیم لوگوں کے اخلاق ابتک زیب داستاں ہیں۔ کاش کہ ہم سب اون کے قدم بقدم چلیں۔

غیبت اور بد گوئی کرنا بد اخلاقی ہے۔ مہماں نوازی اور دوسروں کی دردمندی۔ مسافر نوازی۔ جود وسخا۔ ہمیشہ پسندیدہ اخلاق سمجھا گیا۔ آج کل کی ہماری نمائشی تہذیب میں ظاہرداری کو بیشک ترقی ہوگئی ہے اور راست گفتاری کمیاب ہوتی جاتی ہے۔ ظاہر اور باطن کا ایک ہونا اس زمانہ کی تہذیب میں چنداں نمایاں نہیں ہے۔ البتہ یہ ضرور تاکید رہتی ہے کہ شیطان کے منہ پر اوس کو شیطان نہ کہو۔ دل کی صفائی ظاہری اخلاق نہیں سکھا سکتی ہے مگر چونکہ انسان دوسرے کے اخلاق و ظاہری حالات کی بناپر راے قایم کرسکتا ہے اسلیئے یہی ظاہری اخلاق ہیں جو انسان کو مہذب یا غیر مہذب بتاتے ہیں ؎

ادب تاجیست از لطفِ الٰہی   بنہ بر سر برو ہر جا کہ خواہی

علم حاصل کرنے کے ذرایع

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار   ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

علم حاصل کرنے کے دو خاص ذریعے ہیں۔ اوّل باقاعدہ تعلیم مدرسہ یا مکتب میں دیجاتی ہے جس میں ضروری ہے کہ معلم سے علم حاصل کریں اور دوسرے خانگی طور پر بھی علم محض ذاتی محنت اور مشقت سے حاصل ہوسکتا ہے۔

ہندوستان میں مکتب کا طریقہ عرصہ سے چلا آیا ہے۔ لڑکے اور بعض مقامات پر لڑکیاں بھی مکتب میں باقاعدہ اوستاد کی نگرانی میں تعلیم حاصل کرتے رہے ہیں۔ مگر دوسرے طریقہ سے گویا کہ تعلیم شاذونادر وجود میں آتی ہے مگر تعلیم کے مقاصد پورے کرنے کو کچھہ کم کامیاب نہیں ہوئی ہے۔ علم خانگی مطالعہ سے جو حاصل ہوتا ہے۔ اوس میں خاص محنت اور شوق کی ضرورت ہوتی ہے بعض بعض بڑے بڑے عالم ایسے ملیں گے جنھوں نے کم درجہ تعلیم باضابطہ مکتب میں پائی ہوگی۔ مسلمانوں نے مکتبوں کی تعداد و ترقی میں بہت کچھہ اضافہ کیا تھا۔ ہندوں نے بھی پاٹ شالے اور تعلیمی مرکز بنائے تھے۔ مگر حال میں یہ سب متروک ہوتے جاتے ہیں اور افسوس ہے کہ ان کے بجائے بقدر ضرورت مفید اسکول تعداد میں نہیں بن رہے ہیں۔ اگر اسکول ہیں بھی تو بیشتر لڑکوں کے مقاصد اون سے پورے نہیں ہوتے ہیں۔ لڑکیوں کے اسکول کی جانب ابھی قوم و اہل ملک کو بے توجہی رہی ہے۔ کاش کہ جلد قوم و ملک اس طرف متوجہ ہوں۔ علم کے نسبت مقولہ چلا آتا ہی کہ "علم سب سے زیادہ بیش قیمت شے ہے۔ اس لئے کہ نہ تو چوری جاسکتا ہے نہ تو تقسیم ہوسکتا ہے اور نہ تو اوس کے نفع ختم ہی ہوسکتے ہیں"۔ علم کے پھیلانے کے متعلق بھی کہا گیا ہے کہ "علم کا پھیلانا سب سے بہتر انسان کے لئے سخاوت ہے"۔ اسی مقولہ پر عمل تمام شایستہ قوموں کا رہا ہے۔ سلطنتوں نے شاہی خرچ سے مدرسے اور درس گاہیں جاری کی ہیں۔ جہاں طلبا کے ماند و بود کا انتظام اپنے ذمہ رکھا ہے اور خوش حال اصحاب بھی اس بارہ میں کم مدد دینے والے نہیں رہے ہیں۔ سخاوت روپیہ پیسہ دینے کی ضرور بہتر ہے مگر پانے والا خرچ کرکے پھر محتاج کا محتاج بنا رہتا ہے۔ مگر ایک غریب بچہ علم حاصل کرنے کے بعد اپنی زندگی کما کھا کے بسر کرسکتا ہے اور ممکن ہے کہ اوس سے اور لوگ بھی فائدہ اوٹھاویں۔ ایک ایسے شخص کے ساتھ سلوک کرنے سے ممکن

ہے کہ تا ابد فیض جاری رہے۔ اکابر، اور عمائدین ہر شایستہ ملک کے "وظیفوں" سے "اسکالرشپ" سے طلبا کی امداد کرتے رہے ہیں اور بعض ایسے نادار طالب علم صاحب کمال اور صاحب فضل ہوئے ہیں اور عروج پر پہونچے ہیں۔ کہ اگر اون کو یہ مدد نہ ملتی تو وہ گمنامی میں مرجاتے اور کوئی اون کے مرنے پر رونے والا بھی نہوتا۔

قومی تعلیم ایک بڑا وسیلہ قوم کی ترقی کا ہے جب قوم میں بیشتر تعلیم یافتہ ہوں وہ قوم بڑی مبارک قوم ہے۔ اوس کی ترقی ہے۔ اور زوال اوس کے پاس جلدی نہیں آسکتا ہے محض چند اشخاص کا وہ بھی معدودے چند کا تعلیم پاجانا قومی ترقی نہیں پیدا کرسکتا ہے تعلیم کا مرد اور عورت کے لئے یکساں مفید ہونا بار بار بیان کیا جاچکا ہے۔ ہند کے مسلمانوں میں تعلیم مردوں ہی میں ابھی نہایت کم درجہ پر ہے۔ ہزاروں گھرانے ابتک تعلیم سے بے بہرہ ہیں۔ عورتوں میں تعلیم کا سوال ابھی کجا۔ ابھی اُس کی معقول و مستقل بنیاد بھی نہیں پڑی ہے۔

اس ملک میں خال خال عورتیں پڑھنا لکھنا جانتی ہوں مگر عام عورتیں تو علم کی قدر بھی ابھی نہیں جانتی ہیں۔ عورتوں کی تعلیم اب تک کسی کارآمد اصول پر مبنی نہیں ہے۔ محض اُردو پڑھ لینا یا کچھ لکھ لینا کافی نہیں ہے۔ جب تک کہ عورتیں اس لائق نہ بنیں کہ اپنی اولاد کی تعلیم میں نگرانی کماحقہ کرسکیں اور خانہ داری کو حساب دانی کے اصول پر چلاویں۔ کمانا اور کچھ پیدا کرنا اور اس ذریعہ سے قوم کے سرمایہ میں اضافہ کرنا تو ابھی وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا ہے۔ عورتوں کو مردوں کے کاروبار میں حصہ لینا اور اون کی امداد کرنا تمام شایستہ قوموں کا شیوہ رہا ہے مگر ہندوستان میں اب تک عورتوں کا ہاتھ پاؤں ہلانا بھی معیوب سمجھا گیا ہے۔

وہ عورتیں جن کا سن اب پڑھنا شروع کرنے کا نہیں ہے اب بھی کتابوں کے خانگی مطالعہ سے نفع اوٹھا سکتی ہیں۔ عزیزوں سے سوالات کرکے معلومات عامہ سے واقف ہوسکتی ہیں۔ تعلیم یافتہ عورتوں سے ملنے جلنے سے واقف بن سکتی ہیں۔ علم حاصل کرنے کے لیے عمر کی کوئی قید نہیں ہوسکتی ہے۔ مرتے دم تک انسان علم حاصل کرسکتا ہے۔ علم حاصل کرنے میں اُستانی

کی بھی چنداں ضرورت نہ پڑے اگر لڑکیاں اپنے بھائیوں سے سبق لیتی رہیں مکتب میں باقاعدہ پڑھنا سب سے بہتر ہے مگر اون عورتوں میں جب یہ ناممکن ہو تو بھائی، باپ، عزیز اقارب سے مدد لے سکتی ہیں اور بمصداق "شوق در ہر دل کہ باشد رہبرے درکار نیست" وہ علم کے حاصل کرنے میں کامیاب بھی ہو سکتی ہیں۔ تعلیم پا چکنے کے بعد ہر تعلیم یافتہ عورت کا فرض ہونا چاہئے کہ تعلیم کی اشاعت کریں۔ غربا کو مفت پڑھانے کا بندوبست کر دیں خواہ خود پڑھا دیا کریں۔ مثال کے طور پر پارسی عورتوں کے مختصر احوال سنو۔ پارسی اصل میں فارس سے آ گئے ہیں اور آجکل پارسی عورتیں تعلیم میں بہت آگے ہیں۔ عام طور پر اون میں گجراتی پڑھنا اور لکھنا اور معمولی حساب دانی پھیلی ہے اور ہزاروں پارسی خاتونیں انگریزی داں، موسیقی داں بھی ہیں بعض تو فرنچ بھی جانتی ہیں۔ ان کے طرز ماندو بود میں ہندوستانیت کی بو نہایت کم ہوتی ہے۔ گو کہ قوم اون کی مختصر ہی مگر قابل داد یہ امر ہے کہ پارسی قوم میں کوئی گداگر نہیں ہے قریب قریب سب کے سب برسرکار ہیں۔ جو عاجز اور لاچار ہیں اون کے لئے امیروں نے شفاخانے آرام گاہیں بنا رکھی ہیں جو اونکے نفع کے لئے مخصوص ہیں۔

اون کی عورتیں بھی بہتیری برسرکار ہیں اور خود کما کھا سکتی ہیں۔ کہیں اوستانی ہیں۔ کہیں خادمہ ہیں۔ کہیں سینے پرونے کے اسکولوں میں نوکر ہیں اور پچاسوں اور ذرایع کما کھانے کے اون کے دست قدرت میں ہیں مسلمان عورتوں کی ترقی کے لئے ایک زمانہ ابھی درکار ہی اوس زمانہ کی ابتدا تو ہو چلی ہے۔ مگر ابھی منزل مقصود پھر بھی بہت دور ہے۔

علم سے منفعت

ایک جاہل دنیا میں کامیاب ہو سکتا ہے بعض وقت لکھے پڑھوں کے آگے رہتا ہے چالاکی اور عیاری اوس میں بدرجہ کامل پیدا ہو سکتی ہے۔ غرضکہ دنیا میں کامیاب ہو سکتا ہے مدارج ترقی کے طے کر سکتا ہے تو پھر علم کی فضیلت کس بارہ میں ہے؟ یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے

علم دنیا اور دین حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ مگر علم کی تحصیل بذات خود نہایت قابل قدر شے ہے اگر جاہل تنگ خیال ہوگا تو علم سے ماہر فراخ حوصلہ جاہل کم ہیں ہوگا۔ مگر تعلیم یافتہ انسان کو انسان جانیگا۔ اسراف اور بخالت میں فرق پہچاننے گا مشکل کے وقت علم اوس کی مدد کریگا اور مشکل سے نکلنے کا رستہ بتلاوے گا۔ اگر جاہل کامیاب بھی ہوا تو اوس کی وقعت دوسروں کے دلوں میں چنداں نہوگی۔ علم کی تحصیل سے بچے کے مزاج میں درستگی پیدا ہوجاتی ہے مزاج اور اطوار اور عادات پر دائمی اثر پڑتا ہے جو مدت العمر قایم رہتا ہے۔ اوس کو تنگ خیالات سے آزادی ہوتی ہے۔ مزاج میں انصاف پسندی آتی ہے۔ مزاج کی کرختگی جاتی رہتی ہے مزاج میں اعتدال پیدا ہوتا ہے اور سمجھ بوجھ میں ترقی ہوتی ہے۔ تحصیل علم میں بڑی محنت درکار ہے۔ بغیر عقل پر زور دیے ہوئے علم کی تحصیل قریب قریب دشوار ہے۔ دماغ بھی مثل ایک بن جتے کھیت کے ہے جو تمام قسم کے نفع دیسکتا ہے بشرطیکہ وقت پر کاشت ہوسکے اوسمیں بیج ڈالا جاوے۔ غرادت پہونچائی جاوے خس و خاشاک الگ کیئے جایا کریں۔ بعینہ دماغ بھی تعلیم پانے کے بعد کم منفعتیں نہیں دیتا ہے مگر محنت اور جفاکشی کے بعد ایسی حالت ہوسکتی ہے تعلیم سے غرض ہوتی ہے کہ انسان اپنی طبیعت پر قابو رکھ سکے۔ اپنی طبیعت پر زور دیسکے اپنے دماغ کو کام میں لاسکے۔ اپنی سمجھ کو تیز اور کارآمد بناوے۔ اور قوت غور و فکر کو اپنے قابو میں کرسکے جب ان صورتوں میں سے کوئی سی صورت پیدا نہیں ہے تو تعلیم کا اثر برائے نام ہے۔ وہ تعلیم محض نمایشی ہے اور فی الواقع اصلی تعلیم سے اوس کو واسطہ نہیں ہے۔

اصلی تعلیم کی غرض دل و دماغ کا درست کرنا اور ریکارآمد بنانا ہے۔ نوکری چاکری کرنا یا لوگوں میں سرخروئی پیدا کرنا کوئی اصلی غرض نہیں ہے۔ بلکہ تعلیم پانے کے بعد یہ وسیلے ممکن ہوجاتے ہیں جو بغیر تعلیم کے حاصل کیئے ہوئے ناممکن یا دشوار تھے۔ ایک بڑے حکیم کا مقولہ ہے کہ انسان کو انسانی ضروریات پورے ہونے کے بعد جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ علم ہے۔ مگر علم وسیع معنی میں لو یعنی کہ جب انسان کھا پی لیتا ہے۔ تب اوسکو قدرتی طور پر ضرورت محسوس

ہوتی ہے کہ وہ اپنے ہر چہار طرف دیکھے اور سُنے اور گھومے اور تجربے حاصل کرے اور علم آخر ان ہی ذرایع سے حاصل ہوتا ہے متعلم کو اگر علم حاصل ہوا بھی مگر صحت پر توجہ نہ کی گئی تو ساری محنت بیکار جاتی ہے۔ علم حاصل کرنے پر اوس میں مہارت رکھنی بھی ضروری ہے۔ کیونکہ بے مہارت رکھے سارا علم جلد دماغ سے مٹ جاتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ جو کچھ پڑھا گیا ہے وہ سارے کا سارا یاد میں تازہ نہیں رہ سکتا ہے۔ مگر پھر بھی ذہن نشین مضامین یاد رہ جاتے ہیں اور محنت سے دماغی روشنی پیدا ہو جاتی ہے۔ بو دخو میں انسان کے تعلیم یافتہ ہونے کے ثبوت ملتے ہیں اور تعلیم یافتہ کو غیر تعلیم یافتہ سے الگ پہچان سکتے ہو۔

"تعلیم" و "تربیت" جُدا جُدا الفاظ ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ ایک شخص تعلیم یافتہ ہو مگر اوس کی تربیت خراب ہوئی ہے۔ اس لیے چاہیے کہ علمی استعداد کتنی زیادہ ہو مگر تربیت کی خرابی سے یا نہ ہونے سے ساری تعلیم پر دھبّہ لگتا ہے۔ تربیت ماں کی گود سے شروع ہو جاتی ہے۔ ماں کی خوش مزاجی اور ہنستا چہرہ بچہ کی اچھی تعلیم پانے کے ثبوت ہوتے ہیں۔ ماں کی نگرانی اور شفقت سے بچہ روز بروز اچھی تربیت پاتا جاتا ہے۔ شریف خصلتیں پڑتی ہیں۔ ادب، تمیز لحاظ، اوسکو سکھائے جاتے ہیں اگر تعلیم سے علم حاصل ہوتا ہے تو تربیت سے انسان شریف اور اشرف المخلوقات کہلاتا ہے اور اوس کے حرکات شریفانہ ہوتے ہیں تعلیم میں مذہب کا بھی بڑا اثر ہے۔ اگر مذہب کو انسان چھوڑ بیٹھے تو اوس کی تعلیم میں بڑا نقص سمجھا جاتا ہے اصلی تعلیم بچہ کو لامذہب نہیں بناتی ہے۔ اور نہ اوس کے خیالات کو تنگ کرتی ہے۔ مگر پھر بھی مذہب کی بنیاد اور خدا تعالیٰ کا خوف دل میں اور زیادہ قوی کرتی ہے۔ بچہ مذہب کو علم کی روشنی سے دیکھنے لگتا ہے۔ مذہب کے اصول اگر ناقص ہیں تو البتہ اوس مذہب پر علم کی روشنی پڑنے سے ڈر ہونا چاہیے مگر جو مذہب سچا اور برحق ہے اور جس کی بنیاد عقل پر ہے اوس کی تو یہی تمنا ہے کہ انسان علم کی روشنی سے اُسے خوب پرکھے اور سچا پاوے۔ علم کے مقاصد میں سے ہے کہ انسان کی طبیعت میں وسعت پیدا کر دے طبیعت کو مکر و فریب کی آلائش سے پاک کرے دل کو کدورت سے مبرّا

کرے۔ دین و دنیا کے علم سے واقف بنے اور علم کو اپنے ذہن میں جگہہ دے۔ علم کو سمجھے اور ذہن نشین کرے۔ انسان اپنی دماغی قوت پر بھروسہ کر سکے کہ وہ کیا کیا کر سکتا ہے۔ کیا کیا ایجادیں انسان کر چکا ہے اور اب بھی ایجادوں اور صنعت اور حرفت میں کسقدر گنجایش باقی ہے۔ علم کی مزید تحصیل میں۔ حرفت اور صنعت کی ترقی میں وہ کوشش کرنے کے لایق بن سکتا ہے۔ عقل پر زور دیکر عقل سے مدد لے سکتا ہے۔ اپنے ممکن ذرایع کو کام میں لا سکتا ہے انسان کے رویہ پر اوس کے چال چلن پر تعلیم کا اثر پڑتا ہے۔ انسان قلم اور زبان سے اپنے خیالات کا اظہار نہایت فصیح و بلیغ طور پر کر سکتا ہے جو ایک جاہل شخص کے لئے دشوار امر ہے علم خواہ کسی زبان میں حاصل کیا جاوے بہتر ہے بمصداق مشہور مقولہ کے "علم شے بہ از جہل شے"۔ ایک زبان کے عالم کو دوسری زبان کے سیکھنے میں بہت کچھ امداد ملتی ہے۔ عربی دان بہ آسانی انگریزی داں ہو سکتا ہے اور ایسے شخص کو سنسکرت جاننا بھی دشوار نہیں ہوتا۔ علم سے دماغ کی ساخت کامل ہو جاتی ہے اور دماغ ہر طور پر اپنی خدمت بجا لانے کو تیار رہتا ہے۔ گفتگو میں خوش بیانی یا تحریر میں جادو نگاری تعلیم ہی سے آتی ہے۔ جاہل کی بات چیت سے اوس کی تحریر سے اوسکی جہالت پکار کر اعلان کرتی رہتی ہے۔ تعلیم پانے کے بعد کوئی سا صیغہ کسب معاش کے لئے انسان لیوے اوسکو علم سے کافی مدد ملتی رہتی ہے۔ اگر عورت تعلیم یافتہ ہے تو وہ اپنے کو اپنے اعزا و اقربا کو اچھی تندرستی اور خوش کن حالت میں رکھ سکتی ہے۔ خود بھی کارآمد مشاغل میں مصروف رہ سکتی ہے اور دوسروں کے لئے بھی ایک لایق غمگسار بن سکتی ہے۔ تجربہ اور عقل بھی علم کے ساتھ ساتھ کارآمد ہیں۔ مثل ہے کہ "یک من علم را دہ من عقل می باید" اور دوسری مثل مشہور ہے کہ "پیش طبیب مرو پیش تجربہ کار برو"۔ تجربہ اور عقل انسان کے لئے ہر وقت مفید ثابت ہوتے رہتے ہیں۔

انسان کے چہرہ کی ساخت

ذرا انسان کے چہرہ پر اطمینان اور غور سے نظر ڈالو۔ سب سے بالا اوس کا سر ہے جس میں

بھیجا ہے جسکی رنگت زردی مایل ہے - اور نخوش تمام تیرتے رہتے ہیں - اس میں کچھ سپیدی مائل اجزا بھی پائے جاتے ہیں - یہی مقام تمام خیالات کے مرکز کا ہے - تمہارے افعال اور حرکات پر حکومت یہیں سے ہوتی ہے - اسکو قدرت نے نہایت احتیاط سے ڈھنکا ہے کہ جو بآسانی نہ ٹوٹے اور نہ جلدی خراب ہی ہو جاوے -

تمہاری ریڑھ کی ہڈی جو تمہاری گردن سے جانب پشت سیدھی بیچ میں ہے اوس میں اسی قسم کا مادہ ہے مگر یہاں آکر اوس کا فعل سونچنا یا خیال دوڑانا نہیں ہے - بلکہ تمہارے اعضا پر قابو رکھنا اوس کا فرض ہے - اون میں حرکت پیدا کرنا اور دماغ کے حکم کی تعمیل کرانے کا یہی وسیلہ ہے چنانچہ جسقدر کہ دماغ کو صدمات اور دھوپ کی تمازت سے بچانا ضروری ہے - اوس سے کم ریڑھ کو صدمات اور دہوپ کی تمازت سے بچانے کی ضرورت نہیں ہے -

دماغ کے فرائض کیطرف ایک دوسرے بیان میں اختصار کے ساتھ ذکر آچکا ہے دماغ کے افعال اسقدر زیادہ ہیں جو بآسانی بیان نہیں کئے جاسکتے ہیں - القصہ یہ گویا کہ تمام انسانی مشین یا کل کا انجنیر ہے جو انجام بین اور تجربہ کار بھی ہے جو پرانے تجربے سے فائدہ اوٹھانے والا اور خطرات سے آگاہ کرنے والا ہے -

کل اور سارے پرزے کی تکان کو مٹانے کے لئے مُنہ کا راستہ بنایا گیا ہے کہ جس سے غذا پہونچائی جاتی ہے اور ساری تکان اور کلفت دُور ہوتی رہتی ہے اور پھر انسان محنت کے لئے دوبارہ تیار ہو جاتا ہے - انسان کے دانت میں بھی قدرت باری تعالےٰ کی صنعتیں موجود ہیں - مثلاً چند دانت گوشت کے کھانے والے - چند ملایم چیزوں کو پیسنے والے اور چند سخت اشیا کو توڑنے کو بنے ہیں - لعاب دہن بھی کارآمد چیز صحت کے لئے ہے جس کے بغیر کھانے کے ہضم میں سخت دقت ہوتی ہے - جو لوگ دانتوں سے خوب کُچلنے اور غذا کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا کام نہیں لیتے ہیں اون کو معدہ کی تکلیف رہتی ہے - اسلئے کہ مجبوراً معدہ کو دانت کے فرائض ادا کرنے پڑتے ہیں معدہ کو اونہیں رگڑنا پڑتا ہے اور ساری خرابی ہاضمہ کی اسوجہ سے شروع ہوتی ہے - انسان

کے دانتوں میں جو ساخت کا اختلاف ہے اوس سے بعض لوگ بحث کرتے ہیں کہ انسان کی قدرت کے جانب سے غذا محض گوشت ہی نہیں ہے اور نہ تو محض دانہ یا جنس یا غلّہ ہے اور نہ تو محض ترکاری ہی ہے۔ بلکہ ان سب کے لئے انسان کا دانت موزوں ہے۔ اسلئے انسان کی غذا تھوڑا سا گوشت۔ تھوڑی ترکاری اور غلہ پر مرکب ہونی چاہیئے۔ رواج بھی یہی ہوتا جاتا ہے۔ کیونکہ محض گوشت کھانا نقصان دہ ہے اور ترکاری کا زیادہ استعمال ضروریات سے ہے۔ زبان کا فعل علاوہ مزہ چکھنے اور کھانا کھانے میں مدد دینے کے بول چال بھی ہے۔ زبان سے حرکت ہوا میں پیدا ہوتی ہے تو آواز نکلتی ہے۔ اور قدرت نے اُسکو وہ طاقت عطا کی ہے کہ مشق سے اسقدر صاف اور پُراثر اور تیز بات کر سکتا ہے یا تقریر کر سکتا ہے جس سے انسان کے لئے ایک خاص رحمت باری تعالیٰ کی نظر آتی ہے۔ ورنہ دوسرے جانور اپنی خاص آواز نکال لیں۔ مگر بات چیت کرتے ہوئے نہیں کہے جاسکتے ہیں۔ اب آنکھوں کی جوڑی کو لو۔ ان کی ساخت میں دونوں صنعتیں موجود ہیں یعنی کہ نہایت خوبصورتی کے ساتھ ساتھ نہایت زیادہ کارآمد بھی ہیں۔ انسان نے اس کی نقل اوتارنا چاہا ہے۔ چنانچہ دوربین اور آلات مصوری انہیں اصولوں پر نکلے ہیں مگر اب تک نہ تو وہ قدرتی آنکھوں کے مثل صفائی ہی ہے۔ اور نہ تو اوتنی کارآمد ہی ثابت ہوئی ہیں ان کی جگہہ اسقدر محفوظ مقام پر ہے کہ جو اس سے بہتر قیاس میں نہیں آسکتی۔ خطرات سے اور میل کچیل آنکھہ کے اندر جانے سے منع کرنے کو بھویں اور برونیاں صف آراستہ ہیں اور قدرت نے ان پلکوں میں یہ اختیار عطا فرمایا ہے کہ بلا سوچے ہوئے خطرہ کو سامنے دیکھتے ہوئے خود بخود دروازہ بند کر لیتی ہیں۔ چنانچہ پلکیں خود بخود بند ہو جاتی ہیں جونہی کوئی خطرہ آنکھہ کے قریب آیا۔ خواہ انسان اس کا قصد کرے یا نہ کرے۔ اندھیرے سے ایک دم چکا چوند کرنے والی روشنی میں اگر نکلو تو اُسکی مضرت دفع کرنے کو قدرت نے وہ اختیار دیا ہے کہ مردم چشم اسقدر سکڑ جاتی ہے کہ جس سے کم روشنی پہلے آوے اور مضر بھی ہونے پاوے پلکوں کے مارنے سے گویا کہ آنکھیں پھر سے بار بار ہر ساعت تازہ ہو جاتی ہیں اور اُن پر نمی آجاتی ہے اور جو گرد یا غبار ہوتے ہیں وہ بھی فورا

ہو جاتے ہیں۔

کانوں کو دیکھو۔ اُن کی ساخت بھی عجیب و غریب ہے اُنکے ظاہری پرزے چہرہ کے دونوں جانب لگے ہوئے دیکھائی دیتے ہیں اور اون کے اندر گڑھے سے ہیں جہاں آواز سنائی دیتی ہے۔ ان کی ساخت ایسی مکمل ہے کہ کوئی کیڑا نہ تو اندر جا سکے راستہ ہی روک دیسکے اور نہ تو اس ضروری پرزے کو بگاڑ ہی دیوے۔ حضرت انسان اس طور پر ناک سے سانس لینے کے علاوہ سونگھنے کا کام بھی لیتے ہیں انسان کو غذا کی جانچ کرنے کو کہ وہ کھری یا خراب تو نہیں ہے اُسی پرزے سے کام لینا چاہیئے۔ سڑا ہوا گوشت بدبو کرے گا اور منہ کے پاس لاتے ہی ناک کو خبر ہوتی ہے۔ اور اگر انسان بے عقلی نہ کرے تو اوس کو ایسی غذا ترک کرنی چاہیئے۔ کیونکہ اوس کے استعمال میں سراسر نقصان ہے۔

جانور بھی پہلے بو سونگھتے اور تب غذا کو قابل استعمال سمجھتے ہیں اگر اون کی سمجھ میں بدبو ہے یا غذا خراب ہو گئی ہے تو ہرگز اوس طرف رُخ بھی نہیں کرتے ہیں۔

غرضکہ ناک کا سونگھنا۔ آنکھ کا دیکھنا۔ کان کا سُننا۔ منہ کا غذا لینا۔ زبان کا چکھنا۔ دانت کا غذا کو چبانا۔ دماغ کا سب پر حکومت کرنا۔ ان تمام افعال کے اعتدال کے ساتھ کام کرنے میں انسان کی زندگی کے بے شمار نفع ہیں کہ جو گنتی و شمار سے باہر ہیں۔ گر تمہاری گنتی و شمار سے یہ سب بے نیاز ہیں اور اپنا اپنا کام بلا تمہاری صلاح مشورہ کے بجا لاتے رہتے ہیں۔

اچھی عادتیں

یہ امر تو یقینی ہے کہ بچپن کی عادات تا زیست نہیں چھوٹتیں اگر بُری عادتیں پڑ گئی ہیں تو مشکل سے چھوٹتی ہیں اور عمدہ عادات سے انسان کو پھل ساری عمر ملتا ہے۔

جو بچہ نازادر تنعم میں روپیہ کو روپیہ جاننا نہیں سیکھتا ہے اوس کو قارون کا خزانہ بھی خرچ کرنے کے لئے کافی نہیں ہوتا ہے۔ اوس کے ہاتھ جو آیا وہ خرچ۔ اور جو خرچ اوس کا حساب نہیں

یا د پر سارا اعتماد اور یا د ان معاملات میں ہمیشہ ناقص ہوتی ہے۔علی ہذا جو وقت کی قدر نہیں جانتا ہے وہ ساری عمر چھوٹے سے چھوٹے کام کرنے میں یا کرتے وقت وقت کی شکایت کرتا ہے یعنی کہ موجودہ چوبیس گھنٹے دن اور رات میں اوس کے لئے ناکافی ہوتے ہیں اوس کے لئے دن و رات میں کم از کم پچاس گھنٹے ہوتے تو بہتر ہوتا۔ اگر بچے ہر روپیہ کو روپیہ سمجھکر خرچ کرنے کی بہتر عادت ڈالتے اور ہر ساعت کو ایک نہایت قیمتی وقت جان کر صرف میں لاتے تو ساری عمر مزے میں گذارتے۔ تھوڑے وقت میں بڑے کام انجام دیسکتے۔ اور وقت کا رونا جو عام ہے ہرگز نہ روتے۔ آج کے کام کو کل پر ٹالنا یہ سب سے زیادہ خراب عادت ہے۔ اس عادت سے ساری عمر ٹال ٹول کو دل چاہا کریگا۔ اور جب کام کو کرنا ہی ہے تو پھر وقت پر کرنا سب سے بہتر ہے۔ اپنے جزوی معاملات پر بھی نگاہ رکھنا چاہیئے۔ اپنے معاملات کو خواہ تھوڑے ہوں یا بہت حقیر اور ناچیز مت جانو۔ خرچ کر ڈالنا ہی اپنی زندگی کا مدعا نہ بناؤ بلکہ خود بھی تو پیدا کرو۔ پیدا کرنے کے طریقے جانو۔ اپنے کو اس لایق تو بناؤ تب پیدا کر سکوگے۔ سب سے ضروری امر جو تمہارے سیکھنے کے لئے ہے وہ یہ ہے کہ اپنی زندگی کو ایک عمدہ طریقہ پر ڈھالو جس میں وقت کی پابندی ہو اور عمدہ اصولوں پر بنیاد ہو نہ کہ محض سراسیمگی میں زندگی بسر کر ڈالنا چاہو۔ جہاں نہ کوئی قاعدہ ہو نہ اصول نہ وقت کی پابندی ہو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ تمہارے اصول اچھے ہوں اور اُن اصولوں پر کاربند رہو اور اپنے دل ہی دل میں مواخذہ کرو۔ اور اطمینان کر لیا کرو کہ اتنا وقت بیکار تو ضایع نہیں گیا۔ یا اسقدر مال بیجا طور پر ضایع تو نہیں گیا۔ یا اُس مدّت میں ناقابل پسند عادتیں تو نہیں سکھیں۔ مثلاً ایک لڑکا جو خوش حال گھر میں پیدا ہوا اور ساری عمر اوس کی تعلیم و تربیت کے لئے کوشش ہوئی اوس نے بہت کچھہ مال ضایع ہونے دیا۔ وقت کا تضیعہ الگ کیا لوگوں کے طعن علاوہ سہنے اور اپنی عمر بھر کی تکلیف سوا الگ اوٹھائی۔ یہ ماحصل اوس بے نصیب کے زندگی کے ہیں۔ اگر غور کرے تو اوس سے زیادہ کچھہ نہیں پاوے گا کہ آنکھ کھولی اور دنیا کے ساتھ نہ چلے ہم سفر آگے نکل گئے۔ خود جہاں کے تہاں کھڑے کے کھڑے

رہ گئے۔

کتنی لڑکیاں ہیں جو بیس برس کی عمر میں بھی ایسی ہی دنیا سے ناآشنا ہیں۔ اوسیقدر ناواقف اور نادان ہیں جیسے کہ دو دن کا پیدا ہوا بچہ ہوتا ہے بیس برس کی دراز مدت کیسی بسر ہوئی ؟ وہ خود ہی اپنے دل میں سوال کریں اور سوچیں۔ سادگی اور ستھراپن سب سے بہتر طریقہ زندگی بسر کرنیکا ہے سادگی کی عادت ڈالنے سے بلا ضرورت تکلفات سے بچو گی۔ خیالی ضرورتیں کم ہونگی خیالی ضرورتوں کا سلسلہ روز بروز بڑھتا ہی جاویگا۔ اور ممکن ہے کہ کبھی وہ میسر نہ ہوں اور تم سخت تکلیف اوٹھاؤ۔ صفائی اور ستھراپن سے طبیعت تازہ رہتی ہے اور ہر موقع پر ممدوح ہے۔ اسکے نفع جسقدر بیان ہوں نہایت کم ہیں۔

محنت اور جفاکشی خواہ کچھ دیر طبیعت کے خلاف ہی کیوں نہو نہایت عمدہ عادت ہے۔ زندگی بھر اُس کے مزے اوٹھاؤگی۔ محنت اور جفاکشی کرنے سے تم کو دنیا میں رہنا دلچسپ معلوم ہوگا ورنہ دن کے پل اور رات کے گھنٹے دراز گذرینگے۔ کچھ کرتے رہنا سب سے بہتر ہے بیکاری خود ساری تکالیف کی جڑ ہے۔

کچھ کرتے رہنا دل کو خوش رکھتا ہے طبیعت کو بہلاتا ہے۔ اور غم یا تکلیف کے اوقات آسانی سے گذر جاتے ہیں۔ بڑے بڑے بادشاہ بھی بہت کچھ کام کیا کرتے تھے۔ اور جتنے بڑے آدمی گذرے ہیں اون کی ساری عظمت اور شان اونکی محنت اور جفاکشی کے صلہ میں ہے۔ کامیابی خواہ بڑے پیمانہ کی ہو خواہ چھوٹی ہو۔ محنت اور جفاکشی کے باعث ہر کام میں ہوتی ہے۔ کھیت جوتوگے پانی دوگے بیج ڈالوگے نگرانی رکھوگے تب کہیں کاٹوگے۔ بلا محنت کے آج تک کسی نے کھیت نہیں کاٹا ہے۔ اور یہ قانون قدرت تبدیل نہیں ہوسکتا۔

بچوں کو مناسب ہے کہ بچپن سے تفریحاً ہر امر کا حساب حتی الامکان رکھیں جو روپیہ اونکے ہاتھ لگے اوس کا حساب معہ یادداشت کے رکھیں۔ آمدنی اور خرچ الگ الگ نوٹ بک میں چڑھاتے جاویں۔ دھوبی کے یہاں کپڑوں کے جانے کا حساب الگ رکھیں اور اوس سے کپڑے لیتے

وقت حساب سے مقابلہ کر لیا کریں جو چیز عاریۃً لیں یا دیں اونکا الگ الگ حساب معہ فہرست
کے رکھیں اور جسپر اپنے ذاتی لین دین کو لکھتے جاویں یہ عادتیں نہ توزیادہ تکلیف دہ ہیں اور نہ
اس میں زیادہ دوسرے کی ضرورت ہے یہ عادتیں کھیلتے کھیلتے پڑجاتی ہیں سیکھتے وقت زیادہ
ناگوار نہیں ہوتی ہیں۔ مگر تا زیست ان عادتوں سے بچے جوان ہوکر فائدہ اوٹھاتے ہیں۔
یہ عادتیں جسقدر بچوں کے لئے مفید ہیں اون سے کہیں زیادہ لڑکیوں کے لئے ضروری
ہیں اسلئے کہ گھر کی مالک بنکر حساب کتاب سے ناواقف رہنا ایسا قصور ہے کہ جسکو معاف کرنا
مشکل امر ہے۔ اس سے گھر بے تمیزی میں گرفتار رہتا ہے خود کو تکلیف رہتی ہے۔ ناعاقبت اندیشی
کی یہ بدترین دلیل ہے اور اوس گھر میں برکت نہیں۔ یہ امر کچھ ضروری نہیں ہے کہ ایک بڑے
یا چھوٹے کارخانہ میں ساری باتوں کا حساب کتاب ہی رکھو۔ یاد پر بہت کچھ بھروسہ کرسکتے ہو مگر
بہت سے امور تحریر کرنے سے ہی محفوظ رہجاتے ہیں۔ مگر ہر صورت میں ضروری ہوتا ہے کہ
ہر شخص جانتا رہے کہ اوس کی مالی حالت کیا ہے کسقدر دینا ہے۔ اور اوس کے کسقدر ضروری
اخراجات ہیں ان امور میں لاپروائی زوال اور ذلت کا باعث ہوتی ہے۔ اپنی اور اپنے چیزونکی
احتیاط بھی ضروری ہے۔ تم نے جو سیکھا اور جو جانا ہے اوسے احتیاط سے محفوظ نہ رکھو تو چار دن
میں بھول جاؤ گے۔ مہارت جاتی رہتی ہے۔ اور سیکھا بے سیکھا بہت جلد برابر ہوتا ہے۔ چیزوں کا
فراہم کرنا اور لے لینا مشکل نہیں ہے کہ جسقدر اون کو باحتیاط تمام محفوظ رکھنا ہے کہ عرصہ دراز تک
کام کی رہیں۔ احتیاط سے مراد یہ نہیں ہے کہ بجائے آرام کے ان چیزوں سے تکلیف پیدا ہو۔
قرضہ کرنے سے زیادہ خراب عادت کوئی نہیں ہے اوّل تو ہرگز ہرگز قرضہ کے چکر میں نہ پڑو
اور اگر خدانخواستہ پڑ گئے ہو۔ تو جلد نکلنے کی کوشش کرو۔ تکلیف اوٹھاؤ۔ اخراجات میں کمی کرو
یا زیادہ پیدا کرو مگر جلد قرضہ سے نکلو اور نکلکر ہمیشہ کے لئے اس سے توبہ کرو۔ بچپن ہی سے کچھ
بچانے کی کوشش کرتے رہو تاکہ کچھ سرمایہ ہر دم تمہارے قبضہ میں رہے۔ بڑے ہونے پر
اس کی ضرورت ہر قدم پر پاؤ گے۔ بلا سرمایہ کے مزدور کی زندگی بھی تلخ ہوتی ہے اور امیر و

غریب سب کو اس کی ضرورت کسی نہ کسی وقت میں پڑتی ہے۔ تھوڑے سے سرمایہ میں وہ قوت ہوتی ہے جو بغیر سرمایہ کے ناممکن ہے۔ آمدنی اور خرچ کو برابر برابر ہی رکھنا عمدہ خصلت نہیں ہے بلکہ آمدنی کو زیادہ ہونا چاہیے۔ اور خرچ کو کسیقدر کم رکھنا نہایت مناسب ہے۔ استقلال اور ہمّت دوسری نہایت ضروری خوبیاں ہیں۔ استقلال کو ہاتھ سے دینے میں بجائے نفع کے نقصان رہتا ہے۔ ہمّت پست رکھنے سے کامیابی کی امید نہایت کم رہتی ہے۔ انسان کے مزاج میں یہ عادت ہے کہ اوس کو آرام سے رکھو، خوش رکھو تو اوس کے سارے افعال اچھے ہونگے اور اگر تکلیف میں رکھو یا ناخوش رکھو تو اوس کے سارے افعال بدمزاجی کی دلیل ہونگے پچھلی صورت میں اوسکو چڑچڑا، مغموم اور بداطوار پاؤگے۔ کاش کہ ہمارے گھروں میں وہ سامان ہوتے کہ سارے کے سارے مرد اور عورت خوش وخرّم زندگی بسر کرتے۔ نہ شور ہوتا اور نہ غل مچتا۔ نہ کھانے میں دیر ہوتی اور نہ کھانا بدمزہ پکا کرتا۔ ہر ایک ایک دوسرے کا پاس اور لحاظ رکھتا۔ مرد کی کمائی میں برکت ہوتی، فضول خرچی دور ہوتی اور ضروریات پر ہر لحظہ نگاہ رہتی۔ عورت اپنی ذمہ داریاں جانتیں۔ بچپن سے اس بڑی ذمہ داری کے اوٹھانے کو تیار ہوتیں۔ خوش سلیقگی اور تمیزداری اون کو اچھی طرح سکھائی جاتی اور دنیا سے باخبر ہوتیں۔ اور اپنے عزیزوں کی زندگی میں حصہ لیتیں۔ مردوں کے کام میں مددگار ہوتیں۔ علم کی جانب خاص توجہ کرتیں اور جہل اور تعصب اور اوہام سے بھاگتیں۔ ٹوٹکے اور گنڈے کے بدلے خدا تعالیٰ پر کامل بھروسہ کرتیں۔ چھٹی بیاہ کی فضول خرچی کم کرتیں اور تعلیم میں زیادہ توجہ کرتیں۔ خود محنت اور جفاکشی کی عادی ہوتیں اور یہ سبق سب کو بتاتیں۔ بیشک ایسے گھر نہایت مبارک ہیں۔ جہاں ایسے نمونے ہوں۔

جسم کی حفاظت

اگر ہَوا بند کر دی جاوے یا ضروری مقدار سے کم جسم میں پہنچے تو انسان گھُٹکر مر جائے۔ اگر ہَوا گندی ہی تو صحت پر نہایت بُرا اثر پڑتا ہی۔ سانس کے راستہ وہی گندی ہَوا سارے جسم میں جاتی ہی اور سارے جسم کے افعال کو گندگی کے باعث خراب کرتی ہی۔ ہَوا کے بعد پانی کی ضرورت انسان کے جسم کو ہی۔ پانی کی ضرورت زیادہ رہتی ہی۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہ سمجھنا کہ پانی بہت پینا اچھا ہی۔ بلکہ اگر پانی کو انسان جسم میں نہ پہنچاوے، تو وہ زیادہ دنوں تک زندہ نہیں رہ سکتا ہی۔ کھانا تیسرے نمبر پر ضروری ہی۔ کھانا چاہے چار روز تک نہ کھاؤ مگر ہَوا بغیر پانچ منٹ زندگی محال ہی اور پانی بغیر دو دن بھی جینا مشکل ہو جاویگا۔

جسم کو ضرورت ہوتی ہی کہ کچھ دیر کے بعد وقتاً فوقتاً غذا جسم میں پہنچائی جائے، تاکہ طراوت اور تازگی قایم رہے اور تکان دُور رہے۔ غذا اگر معدہ کے لئے ثقیل ہی تو معدہ کو بھی تکلیف ہوتی ہی۔ اور سارے جسم کو بھی اذیت ہوتی ہی۔

انسان کا جسم بھی مثل ایک سلطنت کے عظیم الشان انتظام کے قایم ہی۔ سلطنت کے دو ضروری کام ہوتے ہیں ایک تو غیر بیگانوں یا غنیم سے محافظت دوسرے اندرونی انتظامات۔ پہلا کام تو تیاری جنگ کا ہی کہ اگر کوئی حملہ آور ہو تو اپنے کو بچا سکیں اور دوسرا کام اُس سے بھی ضروری ہی کہ رعایا خوش رہیں اور گھر کا کام بہ حسن و خوبی انجام پاتا رہے۔ بالکل اسی کے مثل انسان اپنے ہاتھ پاؤں مضبوط بناتا ہی کہ جنگ کے وقت اس سے لڑے۔ اور امن کے وقت اس سے کسبِ معاش کرے۔ اور معدہ اور سارے پُرزے سے اندرونِ خانہ انتظام کو قایم رکھتے ہیں۔ کوئی روٹی کھاتا ہی، کوئی لعابِ دہن شامل کرتا ہی، کوئی ہضم کرتا ہی اور کوئی خون بناتا ہی، کوئی خون رگوں میں دوڑاتا ہی۔ اگر دانت کمزور یا خراب ہیں تو غذا کے اچھی طرح چبانے میں نقص آجاتا ہی۔ اگر معدہ صحیح حالت میں نہیں ہی تو ہاضمہ کا فتور ہی اور جسم کی حفاظت میں کمی آجاتی ہی۔ پس نہایت ضروری ہی کہ ہم لوگ جسم کی کافی طور پر حفاظت کرنیکی

کوشش کریں صحت کے دشمنوں کو جانیں اور اُن سے مقابلہ کریں اور دوستوں کو پہچانیں۔ اور ان سے دوستی پیدا کریں۔

ہوا کی صفائی پر جس قدر زور دیا جائے کم ہے۔ گندگی اور میلاپن۔ کوڑہ اور غلاظت ہوا کی حالت میں تبدیلی پیدا کر دیتے ہیں۔ ہوا میں کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں جو سانس کے ذریعے تمام جسم کی گوں میں اور شریانوں میں سما جاتے ہیں۔ انسان کو چاہیئے کہ جہاں رہے وہاں کی ہوا صاف رکھنے کی کوشش کرے۔ دھوپ کے آنے سے بھی کیڑے مرجاتے ہیں۔ جہاں آفتاب کی کرنیں خوب نہیں آتی ہیں وہاں بھی کیڑے بیشمار پیدا ہو کر ہوا میں اُڑتے پھرتے ہیں۔ چاہیئے کہ انسان ایسی جگہ رہے کہ جہاں آفتاب ضرور دن میں تھوڑی کرنیں ڈالتا رہے اور جہاں سے ہوا ادھر سے اُدھر ضرور دن میں ایک بار گذر جاتی ہو۔ پانی کی صفائی کچھ کم ضروری نہیں ہے۔ پانی کی داشت کی طرف کافی توجہ درکار ہے۔ صراحیاں اکثر بدلنا چاہئیں اور صاف ہر دوسرے روز ضرور کر ڈالنا چاہیئے۔ کنواں جہاں سے پانی آتا ہو ضرور یکبار سال میں دوا ڈالکر صاف کرا دینا چاہیئے۔ کنوے پر گندگی یا تپّی کا گرنا یا کنوے کے قریب کپڑے دھونا یا اُس کے قریب نہانا بھی نہایت خراب ہے۔

کنواں حتی الامکان آبادی سے الگ رہنا بہتر ہے۔ جہاں سے پینے کا پانی آوے۔ حتی المقدور پانی جوش دیکر پینا سب سے اچھا ہے۔ پانی پینے کے قبل دیکھ لینا بہت ضروری ہے۔

کھانے کے جو برتن ہوں انکو خوب صاف رکھنا اور قلعی دار پر قلعی کراتے رہنا نہایت ضروری ہے۔ غذا کے جزوِ بدن بنانیکے جو اوزار ہیں اُن کو درست رکھنا بھی مقدم ہے۔ مثلاً معدہ کا کام کرتے رہنا اگر معدہ کو آرام کی مہلت نہ دی جائے تو ایسی عادت نہایت جلد معدہ کو ازکار رفتہ بنا دیتی ہے۔ یا دانت میں بدبو یا میلاپن بھی غذا کے ہاضمہ پر اچھا اثر نہیں ڈالتا ہے۔ ان پُرزوں کے تمام افعال پر دماغ اپنا اثر پورا پورا رکھتا ہے۔ کوئی پُرزہ دماغ کے سرپرستی بغیر مشکل سے کام انجام دسکتا ہے۔ کھاتے وقت رنج کرنا یا غصہ کرنا یا مغموم ہونا یا دماغ کو زور دینا بھی صحت کے لئے مضر ہے۔

کھاتے وقت اطمینان کا ہونا، بہ اطمینان کھانا، خوش رہنا، باتیں کرنا، غرضکہ ہنسنا، بولنا بھی

ہمیشہ نہایت مفید ثابت ہوا ہے۔

غذا کے بعد فوراً دوڑنا یا تیز چلنا یا دماغی کام شروع کر دینا بھی خالی از مضرت نہیں ہے۔ کھانے کے تھوڑی دیر پیشتر اور تھوڑی دیر بعد دماغ کو تردّدات سے خالی رکھنا صحت کے لئے بہتر ثابت ہوا ہے۔ کھانے کے بعد فوراً سو جانا بھی نہایت ضرر رساں ہے۔ آہستہ آہستہ چلنا۔ پھرنا۔ باتیں کرنا طبیعت کو بہلانا۔ خوش رکھنا نہایت مفید ہے۔ کھانے میں اعتدال لازمی امر ہے۔ اور معدہ پر ایک دم یا ایک ہی وقت بار ڈال دینا بھی اچھا نہیں ہے۔ زیادہ مرچ اور کھٹائی کا استعمال بھی معدہ کو صحیح حالت میں نہیں رہنے دیتا ہے۔

انسان کے جسم کی ساخت

یوں تو تمام جاندار کے جسم میں عجیب عجیب حکمتیں صانع کی موجود ہیں مگر انسان کے جسم کو بغور دیکھو تو حیرت ہوتی ہے، اور اُس مالک کی قدرت کاملہ پر قربان ہو جانے کو دل چاہتا ہے۔

ہڈی۔ گوشت۔ نسیں۔ شریانیں۔ خون۔ جسم کے اندر رطوبت ظاہراً ان مصالحوں سے انسانی جسم بنا ہے۔ مگر وہی مصالحہ انسان لیکر دوسرا جاندار پُتلا نہیں بنا کر کھڑا کر سکتا ہے۔ انسان کا پُتلا بنانا تو درکنار ہے، ایک ادنیٰ مکھی تو بن ہی نہیں سکتی۔ انسان کے جسم کو ایک نہایت کارآمد کل تصور کر لو جسکے پُرزے سر سے پاؤں تک ہر مقام پر پھیلے ہوئے ہیں۔ ایک دوسرے سے رشتہ ایسا مضبوط ہے کہ ایک کل کے چلتے رہنے کو درکار ہے کہ سارے پُرزے چھوٹے اور بڑے اپنے اپنے کام میں لگے رہیں۔ اور آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہیں۔ اس عجیب و غریب کل کے چلتے رہنے سے انسان زندہ ہے۔ وہ وہ کارنمایاں کرتا ہے کہ جو اور کسی جاندار سے ممکن نہیں ہے اور جن کو سب کے جی جانتا ہے۔ قلعہ فتح کرتا ہے۔ دریا اور سمندر پر قابو رکھتا ہے۔ پہاڑ اُس کے پیر تلے رہتا ہے۔ توپ سے وہ نہیں ڈرتا۔ مگر جب کل بگڑی سارا کارخانہ بند ہو جاتا ہے، پھر وہ چاہے جلا ڈالا جائے اور چاہے اُسے دفن کر کے اُس پر لاکھوں من تودہ خاک اوپر سے ڈالدو۔ زندگی اُس کی عجیب و غریب انقلابات سے پُر ہے۔ جب پیدا ہوتا ہے سمجھ نہیں رکھتا ایک رونا تو البتہ جانتا ہے۔ باقی سب خیر صلاح۔ پالا گیا ناز اور پیار میں بڑھا۔ دیکھتے دیکھتے دنیا کی باتیں

سمجھ میں آتی گئیں پھر دن دُونا اور رات چوگنا بڑھتا گیا۔ عقل اور سمجھ بھی ساتھ ساتھ بڑھتی گئی۔ یعنی کہ انسان مکمل بنگیا۔ غرضکہ انسان کے جسم میں مثل اور دوسرے جاندار یا نباتات کے نمو کا مادّہ خاص ہے۔ سر کی کھوپڑی کے اندر زرد زرد مادّہ ہے جو دماغ کہلاتا ہے۔ اس میں اتنے اتنے جوہر ہیں کہ اسی کو غور سے جانا جاتا تو ایک لمبی چوڑی تفصیل درکار ہے۔ اس میں یاد رکھنے کا خزانہ ہے۔ تمام سوچ بچار کا انبار ہے پُرانی پُرانی باتیں یہیں محفوظ رہتی ہیں۔ اسکی مقدار نہایت کم ہے مگر افعال نہایت وسیع اور معنی خیز ہیں۔ اسی دماغ میں سارے جسم کے دور اور نزدیک کے پُرزوں کے چلانے کا مادّہ ہے۔ پیر میں چوٹ لگے تو یہاں خبر ہو اور اگر ناک پر مکھی بیٹھ جائے تو اس کو فوراً اطلاع ہوتی ہے۔ ناک سے سونگھو، زبان سے ذائقہ لو، کان سے سنو آنکھ سے دیکھو۔ ہاتھ سے چھوؤ۔ اس دماغ کو ضرور سب کی اطلاع ہو جاتی ہے۔ اطلاع میں نہ کبھی دیر ہوتی ہے اور نہ کبھی فرق آتا ہے۔ سارے تاروں کا "دماغ" سب سے بڑا تار گھر ہے یہی سب کا سنٹرل آفس central office ہے۔ گردن کے راستے وہ تمام نسیں اور شریانیں جو تمام جسم میں پھیلی ہوئی ہیں اسی دماغ پر جاکر ختم ہوتی ہیں۔ اس لئے گردن کاٹ دو تو انسان کا خاتمہ ہے مگر ہاتھ اور پیر کاٹ دو تو بھی لنگڑا لُنجا زندگی بسر کرلیجاتا ہے۔ "دل" اور "پھیپھڑے" سب سینہ کے اندر لفافہ میں بند اپنا کام کئے جاتے ہیں۔

"معدہ" میں غذا جاتی ہے سب گڈمڈ ہو کر ایک دیگچہ میں پکتی ہے۔ سب کے ہضم کرنے اور معدہ کے پُرزوں کے چلانے کو خدا تعالیٰ نے ایک عرق پیدا کیا ہے کہ جو مُنہ میں کھاتے وقت سارے کھانے میں ل جُل جاتا ہے اور اسی سے کھانا ہضم ہو جانے میں آسانی ہوتی ہے۔ معدہ میں کھانا دیر تک پکتا ہے۔ یک پکا کر جب تیار ہوتا ہے تو اس کا جوہر یعنی خون نیجاتا ہے اور انسان کی بقا اور طاقت کا باعث ہوتا ہے۔ یہ خون سارے جسم میں دوڑا کرتا ہے۔ اور جب دوڑنا بند ہو جائے تو انسان کا زندہ رہنا ناممکن ہے۔ کھانا جس قدر چبا کے اور اطمینان کے ساتھ کھایا جاوے اُسی قدر انسان کی صحت کے لئے مفید ہے۔ جس قدر زیادہ لعاب دہن کی آمیزش ہو اُسی قدر آسانی کے ساتھ ہضم ہوگا۔ ہاتھ اور پاؤں انسان کے ضروری خدام ہیں۔ جن کے بغیر نہ تو حرکت ہی کرسکتا ہے نہ کوئی کام ہی انجام دلیکتا ہے۔ ہمارے ہاتھ اور پیر دوسرے جاندار کے ہاتھ اور پاؤں کے مقابل جُداگانہ ساخت کے ہیں۔ ہمارے ہاتھوں

وہ کام ہوتے ہیں جو دوسرے جاندار سے انجام پانے ناممکن ہیں۔ پیر میں گدی لگی ہے کہ زور سے دوڑو تو چوٹ نہیں لگتی اوپر سے گرو تو گدی کے باعث چوٹ کم لگتی ہے۔ چہرہ کو لو تو ناک سب کے آگے دکھائی دیتی ہے اس لئے کہ سب سے قبل اور سب سے زیادہ ضروری کام جو انسان کے لئے درکار ہے وہ ناک سے سانس لینا ہے سانس رکی تو خیر نہیں۔ اس کے جاری ہی رہنے میں بھلائی ہے۔ آنکھیں گویا کہ دماغ کے لئے دو دوربینیں ہیں جس سے دماغ نزدیک اور دور کا حال دریافت کرلیتا ہے۔ ان کلوں کے ذریعہ سے چلنے کا راستہ بتاتا ہے خطرات سے ہٹاتا ہے۔ اس ضروری کل یعنی آنکھ کو کس قدر پردہ اور حفاظت کے ساتھ صانع مطلق نے بنا رکھا ہے کہ بآسانی ضرر نہ پہونچنے پاوے۔

کان گویا کہ دو جاسوس دونوں طرف بغل میں جن سے سنتا ہے اور دماغ کو فوراً مطلب کی اطلاع دیتا ہے۔ دہن گویا کہ بولنے اور کھانے کا ایک دہانہ ہے اس کے ذریعے سے بولو دوسروں کو مطلب سمجھاؤ اسی راستہ سے غذا اور پانی جسم میں پہنچاؤ۔ زبان اور دانت کے کام کچھ کم ضروری نہیں ہیں۔ ان بیشمار پرزوں میں سے ہر ایک کا بیان طوالت سے خالی نہیں ہے۔ انمیں سے ہر ایک اپنے اپنے کام پر مقرر ہیں سب میں گہری دوستی ہے۔ اور ہر ایک کو دوسرے کی مدد کا بہت بڑا خیال ہے اور اسی میں سارے کی بہتری بھی ہے۔

حفظ صحت کے قواعد

انسان اگر جسم کی حفاظت کے قاعدوں پر نہ چلے تو اپنے کو ہمیشہ روگی بیمار پاویگا۔ عورت جو ان پر کاربند نہو گی وہ اپنی صحت اور اپنے بچوں کی صحت کو خراب کریگی۔ اور مرد جو ان سے غافل رہیں وہ اپنے کو کام کرنے اور دنیا میں قدم رکھنے کے قابل نہ پائینگے صحت کے لئے تین باتیں قابل لحاظ ہیں اوّل تو کھانا پینا۔ دوسرے آرام کرنا۔ تیسرے کچھ نہ کچھ مشق یا ورزش یعنی ہر عضو پر زور ڈالنا اور کھانے کو بخوبی ہضم کرنا۔ جو کھانا نہ کھائے۔ یا خراب قسم کا کھاوے یا مقدار سے کم کھاوے یا زیادہ کھاوے تندرست نہیں رہ سکتا ہے۔ اور جو جسم کو آرام نہ دے یا ضرورت سے کم دے وہ بھی تندرست

نہیں رہ سکتا ہی۔ اور جو ورزش نہ کرے نہ چلے نہ پھرے وہ اپنے معدہ کو ہمیشہ خراب حالت میں پاویگا۔ اعضا پر زور ڈالنے سے جو کھیل کود کے مشاغل اور چلنے پھرنے میں ممکن ہی انسان اپنے کو چست اور چالاک پاتا ہی۔

سویرے بستر سے اُٹھنا اور کام کاج میں مصروف ہو جانا انسان کو چست بناتا ہی۔ سویرے اُٹھنا مُنہ ہاتھ دھو کر اور وضو کر کے نماز پڑھ لینے اور قرآن مجید کی تلاوت کرنے سے دل کو خود ہی خاص فرحت ہوتی ہی۔ اور اگر قرآن مجید مع معنی کے سمجھ کے پڑھنا ممکن ہو تو اور بھی بہتر ہی۔ صبح سویرے کچھ ہلکا ناشتہ کر لینا بھی مفید ہی۔ ۱۰ خواہ ۱۱ بجے تک کھانے کے انتظار میں ناشتہ نہ کرنا مفید نہیں ہی۔ دوپہر کے کھانے میں دیر سویر بھی مناسب نہیں ہی۔ دس اور گیارہ بجے کے درمیان ضرور کھانے سے فراغت حاصل کر لینا چاہیئے۔ اُس کے بعد دن کے کام کاج میں مشغول ہو جانا چاہیئے۔ دن کا سونا نہایت بُرا ہی اور صحت کے لئے مُضر بھی ہی۔ شدتِ گرمی میں سو لینا تو بہتر ہی گر جاڑہ اور برسات میں سونا ہرگز مناسب نہیں ہی۔ شام کا کھانا جہاں تک ممکن ہو جلد کھا لینا نہایت بہتر ہی۔ آٹھ اور نو بجے کے درمیان ضرور کھا لینا چاہیئے۔ کھانے کے بعد فوراً سو جانا بھی مُضر ہی۔ سوتے وقت کا لباس حتی الوسع الگ رہنا چاہیئے اور دن کے لباس کو خشک ہونے کے لئے ڈال دینا چاہیئے۔ بستر بھی حتی الوسع روز دھوپ میں رکھدیا جایا کرے تو بہتر ہی۔

سونے کے قبل مُنہ ہاتھ دھو ڈالنے سے بھی طبیعت تازہ ہو جاتی اور نیند جلد آتی ہی۔ نیند سات گھنٹے پورے طور پر آنی صحت کے لئے مفید ہی۔ مُنہ ڈھانپ کے سونا نہایت مضر ہی۔ اس سے کپڑے کے اندر بند ہوا میں سانس لینی پڑتی ہی۔ اور وہ ہوا کچھ عرصہ کے بعد زہریلی ہو جاتی ہی۔ چاہے کتنی ہی خنکی ہو ناک ہمیشہ چادر کے باہر نکالے سونا چاہیئے۔ تکیہ بہت نیچا نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ کسی قدر اونچا بہتر ہی۔ سونیکے حالت میں کمزور اشخاص کو سردی کھاتے رہنا بھی مضر ہی بلکہ سخت مضر ہی۔ غسل انسان کی صحت برقرار رکھنے کے لئے نہایت ضروری امر ہی۔ غسل کے بعد ذرا چلنا پھرنا یا ٹہل لینا نہایت مفید ثابت ہوا ہی۔

مفصلۂ ذیل چند امور پر نگاہ رکھنا نہایت ضروری ہے:
(۱) ہر کھانے کے بعد فاصلہ ۴ گھنٹے کا معدہ کے آرام کے لئے دینا بہتر ہے۔
(۲) مُنہ بار بار جھٹالنا نہایت مضر صحت ہے۔
(۳) کھانے کے قبل اور بعد ذرا ٹہل لینا۔ کمرہ ہی میں سہی۔ بہت فائدہ مند ہے۔
(۴) کھانے کے بعد ذرا آرام کر لینا بہتر ہے مگر فوراً سونا نہایت خراب ہے۔
(۵) رات کے کھانے کے بعد کم از کم دو گھنٹے بات چیت میں طبیعت کو بہلائے رکھنا بہتر ہے
(۶) زیادہ مشقت یا محنت کے بعد کھانا کھا لینا مضر ہے۔
(۷) کھانے کے بعد نہانا سخت نقصان دہ ہے۔ البتہ کھانا ہضم ہونے کے بعد مناسب ہے۔
(۸) مکان کا کشادہ ہونا بہتر ہے۔ جہاں ہوا کا کافی گذر ہو اور روشنی کافی آتی ہو۔
(۹) کثیف لباس کے استعمال سے بھی احتراز کرنا چاہیئے۔
(۱۰) تھوڑا سا چل پھر لینا کہ پسینہ نکل آوے۔ صحت کے لئے نہایت ضروری امر ہے۔
(۱۱) دن بھر کے کام کاج کے بعد جسم کو پورا پورا آرام دینا نہایت ضروری ہے۔
(۱۲) ایک جگہ زیادہ دیر تک پڑے رہنا بھی اچھا نہیں ہے۔
(۱۳) انسان بستر کو اکثر دھوپ دکھا دیا کرے اور جلد جلد بدل ڈالے تو بہتر ہے۔
(۱۴) سونے کا کمرہ زیادہ فراخ ہونا بہتر ہے اور اُس کی ہوا کو صاف رکھنا بھی مقدم ہے۔
(۱۵) بیکاری اور بے شغلی بطور خود ایک عارضہ ہے۔ کچھ نہ کچھ شغل رکھنا چاہیئے۔

صحت کے قواعد پر عمل درآمد بھی دیکھا دیکھی سے جلد آجاتا ہے۔ اور جن گھروں میں سلیقہ شعار مالکہ ہیں وہاں سب بڑے بوڑھے بچے تو ہی صحتور اور تندرست ہونگے۔ صحت کی حالت کسقدر بہتر ہے اس مثل سے ظاہر ہے کہ "تندرستی ہزار نعمت ہے"۔ صحت کی حالت خدا کی ایک بڑی نعمت ہے۔ انسان خوش و خرم رہتا ہے۔ کام کرنے کو دل چاہتا ہے۔ اور دل لگا کر کام کرتا ہے۔ مگر علالت میں نہ کام کی جانب میلان ہوتا ہے، نہ کام میں دل ہی لگتا ہے۔

خداتعالیٰ نے صحت انسان کے لئے دی ہے۔ علالت انسانی بے عنوانیوں کا خمیازہ ہے۔ اور یہ حالت اصلی نہیں ہے۔ صحتمندوں کے دماغ اور حوصلے بلند ہوتے ہیں اور علالت میں مزاج میں غصہ اور طبیعت میں چڑچڑاہٹ رہتی ہے۔

انسان کو محض گوشت خور بھی نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ ترکاری اور گوشت دونوں کھانا چاہیئے۔ ترکاری اور پھل بشرطیکہ پختہ ہوں صحت کے برقرار رکھنے کو نہایت مفید ہیں۔ زیادہ ثقیل غذا بھی مناسب نہیں۔ ہلکی غذا اور طاقت دینے والی غذا بہت مناسب ہے۔ دودھ بشرطیکہ خالص اور صاف طریقہ پر رکھا گیا ہو، بہتیر صورتوں میں مفید ہے۔ دودھ رکھنے کا برتن خاص طور پر صاف رکھنا چاہیئے۔ چائے اور قہوہ کا بے ضرورت استعمال بالخصوص گرم ملکوں اور گرم دنوں میں مناسب نہیں ہے۔ اور اسکی عادت نشہ کے استعمال کی عادت سے کم تکلیف دہ نہیں ہوتی۔

اصولِ خانہ داری

چونکہ آج جو بچیّ ہیں کل وہی بیوی ہونگی اور اپنے گھر کی فرماں روا ہونگی اس لئے اُن کو اصول خانہ داری پر خاص توجہ رکھنا نہایت ضروری ہے۔ مرد کمائے اور بیوی اُس کو خرچ کرے یہ تو ایک آسان بات ہے۔ مگر خوبی اس میں ہے کہ بیوی کو پورا پورا خیال ضروریاتِ زندگانی کا رہے کفایت اور خوش سلیقگی سے سارا کام انجام پاوے اور پھر بھی وقت پر چار پیسے گھر میں نکلیں یہ خوش سلیقگی کے نمونے ہیں۔ ضروریات زندگی ہر طبقہ کی جُدا ہیں۔ جو اشیا امیروں کے لئے موزوں اور اکثر ضروری ہیں وہ ایک متوسط الحال کے لئے فضول اور زائد از ضرورت ہیں۔

اصلی ضروریات زندگی سے مُراد ضروری حفاظت جسم کی ہے کہ جس کے بغیر انسان کو جسمانی ضرر پہونچنے کا اندیشہ ہو۔ مثلاً غذا اگر کافی مقدار میں جسم میں نہ پہونچے تو انسان لاغر ہو جاوے اور کام کرنے کے لایق نہ رہے۔ یا اگر مکان آرام دہ جھونپڑا ہی سہی مگر رہنے کے لئے موزوں نہو تو انسان مختلف موسم میں مشکل سے گذران کرسکتا ہے۔ پھر جسم کے ڈھکنے کی بھی ضرورت ہے۔ مکان ہے

تو اس میں حسب حیثیت سامان آرائش کی بھی ضرورت ہی۔ مگر ہر صورت میں نہایت ضروری ہی کہ غذا، مکان اور لباس نہایت حفاظت کے ساتھ صاف رکھا جاوے اور صفائی رکھنے کی جو تدابیر ہیں اُن پر عمل کیا جاوے۔ غذا جس قدر جسم کو طاقت پہنچانے والی ہو اور طاقت کو قایم رکھنے والی ہو اُسی قدر بہتر ہی۔ مگر موسم کے لحاظ سے اور کھانے والے کے مزاج اور تندرستی پر نگاہ رکھکر پکانا چاہیے غذا اگر ضرورت سے زیادہ مقوی ہو تو بھی مضر ہی اور اگر محض بے قوت ہو تو انسان کی صحت پر بُرا اثر ڈالتی ہی۔

خانہ داری کی بنیاد ہر ملک اور ہر زمانہ میں پیٹ بھرنے پر رہی ہی اور اس میں لطف سمجھا گیا کہ سب گھر بھر خوش خرم مل جُل کر خوش رہیں۔ ساری بے اطمینانی اسی پیٹ سے پیدا ہوتی ہی اور خوش اسلوبی کی جانچ بھی اسی پر ہی۔ خانہ داری کا بار کچھ کم بار نہیں ہی۔ بلکہ اس میں بھی تمام عقل اور سمجھ کو کام میں لانے کی اکثر ضرورت پڑتی ہی۔ بسا اوقات یہی باعث فساد اور ناخوشی بھی ہوئی ہی

چھوٹے۔ بڑے۔ بچے۔ جوان۔ بوڑھے۔ جہاں ایک گھر میں ہوں وہاں البتہ ہر شخص کے حالات اور ضروریات پر نظر رکھنا کوئی آسان امر نہیں ہی۔ بلکہ خوش تدبیری کی ضرورت ہی۔ حساب کتاب رکھنے کا علم کوئی بڑا دشوار علم نہیں ہی اور معمولی ضرورتوں کے لئے تھوڑا سا حساب جاننا کافی ہی۔ مگر اس کے جاننے میں کیا فائدے ہیں۔ وہی جان سکتا ہی کہ جو روپیہ کو روپیہ سمجھے اور اپنے اخراجات کے حساب کتاب کرنے کا شوق رکھتا ہو۔ مثلاً مہینہ بھر میں کسقدر خرچ گوشت کی خریداری میں ہوا۔ اور کسقدر اوپر کے اخراجات میں یا کسقدر جنس وغیرہ میں۔ اور دیگر چھوٹی چھوٹی خریداری میں وہی جوڑ کے بتا سکتا ہی کہ جو روزمرہ لکھتا گیا ہو۔

خانہ داری میں بعض اخراجات کو کم کر دوسرے اور بھی ضروری اخراجات کے لیے گنجایش نکالنی پڑتی ہی۔ مثلاً جب کہ لڑکا اسکول یا کالج میں بھیجنے کے لایق ہوگیا تو سمجھدار ماں کم ضروری اخراجات کو چھانٹ دیگی اور لڑکے کی تعلیم میں اُس بچت کو صرف کریگی۔ ایسا کرنا اُس عورت کو آسان

ہی جو تمام جزو کل اخراجات ضروری اور غیر ضروری پر حاوی ہو۔ اور کچھ بچت میں رکھتی ہو۔ حالانکہ جس گھر کی کنجی ایسی عورت کے ہاتھ میں ہی جو آج کے مزہ میں کل کی تکلیف سے بے خبر ہو یا جو آمدنی اور خرچ کو برابر رکھتی ہی، وہ بھلا کیا خانہ داری کے مصالح سے واقف ہو سکتی ہی۔

روز کی خریداری کی عادت خانہ داری کیلئے دشمن ہی۔ اس میں برکت نہیں ہی۔ خریداری ہفتے میں ایک بار یا مہینے میں ایک بار یا فصل میں ایک بار بلکہ سال میں ایک بار بہتر ہی۔ مگر اس پر عمل کرنا اُسی وقت ممکن ہی کہ جب پاس چار پیسے موجود رہیں۔

صاف طور پر اور آرام سے رہنا کوئی دشوار امر بھی نہیں ہی۔ ایک قلی بھی صفائی رکھ سکتا ہی گندگی یا میلا پن خانہ داری کی دشمن ہی۔ صفائی سے دیرپائی ممکن ہی۔ گندگی سے چیز کے جلد خراب ہو جانے کا یقین غالب ہی۔ مثلاً جو کپڑا صاف رہے اور دُھلتا رہے وہ دیرپا ہوگا بہ نسبت اُس گندہ کپڑہ کے جو پسینہ یا میل سے کمزور پڑ گیا ہو۔ گندگی سے صحت کو بھی سخت نقصان پہنچتا ہی۔

خانہ داری کے فرائض پورا کرنے کو مددگار کی ضرورت ہوتی ہی۔ مگر سب سے بہتر اور قابل اعتبار مددگار خود اپنے ہی دست و بازو ہیں۔ اگر ان پر اکتفا نہ کیا جائے تو جس قدر کم ملازم ہوں اُسیقدر آرام ملتا ہی۔ بشرطیکہ ملازم کام کرنیوالے اور کام جانتے ہوں۔ نوکروں کا زیادہ ہجوم کہیں بھی برکت نہیں پیدا کرتا ہی۔ اکثر وہ مثل ہو جاتی ہی کہ ایک نے کمایا اور دس نے کھایا۔

خانہ داری کے لئے کاہلی یا لیت و لعل بھی بُری بلا ہی۔ جو کام جس وقت کرنے کا ہی اُس کا انجام دینا اُسی وقت بھلا معلوم ہوتا ہی۔ کام کے ٹال ٹول سے بھی بہتیرے کام اکٹھا ہو جاتے ہیں۔ جن سے آخر کار دقت ہوتی ہی۔

خانہ داری کے لئے مزاج بھی ٹھنڈا ہونا اچھا ہی مگر معاملہ فہم ہونا بھی ضروری ہی۔ جزو کل پر جبتک نگاہ نہ رہے اُس وقت تک کام بخوبی چلنا مشکل ہی ہی۔

دل میں خدا کا بھروسہ رکھنے سے بسا اوقات بڑی مشکل دقتوں کو ہنستے کھیلتے انسان گذار دیتا ہی۔ بالخصوص جبکہ کوئی علیل ہو یا کسی مصیبت کا سامنا آ گیا ہو۔ خانہ داری کے لئے خوش مزاج ہونا

کچھ کم ضروری امر نہیں ہے۔ ایک ہنستا دس کو ہنساتا ہے اور ایک روتا دس کو رولاتا ہے۔ ہنستے کام کرتے دل نہیں گھبراتا ہے ورنہ طبیعت کام سے جلد اُکتا جاتی ہے۔

مثال سے بہتر سبق دنیا میں ناممکن ہے۔ خانہ داری کتاب کے مطالعہ سے نہیں آتی بلکہ مثالیں پیش نظر رکھنے سے اُنکی جو درحقیقت خوش سلیقہ بہو بیٹی ہوں۔

ہندوستان کے مسلمانوں کی تعلیمی حالت

جب انگریزی حکومت ہندوستان میں آئی جس کو قریب ڈیڑھ سو برس کے گذرے مسلمان ہندوستان کے عربی اور فارسی کے علم کو پڑھتے تھے، مگر انگریزی حکومت نے علم کو بہت کچھ ترقی دی۔ جس سے ہندوؤں نے فوراً فائدہ اُٹھانا شروع کردیا۔ انگریزی پڑھنے لگے، انگریزوں کے دربار اور کاروبار میں عہدہ پانے لگے۔ مگر مسلمانوں کے دلوں میں طرح طرح کے وسواس اور توہمات نئی طرز کی تعلیم اور انگریزی خوانی سے پیدا ہوئے جو بڑھتے ہی گئے۔ اس وجہ سے مسلمان بہت پیچھے اپنے ساتھیوں سے ہوگئے۔ حالانکہ انگریزی حکومت نے ہر طور سے چاہا کہ مسلمان بھی تعلیم میں آگے بڑھیں اور علوم مغربی کی طرف راغب ہوں۔ ان وقتوں میں مسلمان گھرے ہوئے تھے کہ اُن میں سے ایک مردِ خدا پیدا ہوا جو حسب نسب کا سید سادات اور پُرانی طرزِ تعلیم کا ماہر اور نئی تعلیم کو بہت مفید جاننے والا تھا کہ جس نے تعلیم پھیلانے کا بیڑا اُٹھالیا اور آج ہندوستان میں جو "تعلیم تعلیم" کا شور مچا ہوا ہے۔ یہ سب کچھ اُسی کی ذات سے ہے۔ اگر وہ مردِ خدا نہ کھڑا ہوتا اور نہ مسلمانوں کو خواب غفلت سے جگاتا تو آج بھی سارے ہندوستان میں مسلمان سوتے ہی رہتے اور تعلیم سے بے خبر ہوتے۔

سید احمد خاں دہلی کے مشہور سادات کے خاندان سے تھے۔ جو بادشاہی زمانہ میں دربار دہلی کے معزز ملازم تھے اور جو بعد کو سرکار انگریزی میں بھی معزز عہدوں پر رہے اور جنہوں نے عہدۂ صدر الصدوری سے پنشن لیکر علی گڑھ کالج کی بنیاد ڈالی، جو آج مسلمانوں کی تعلیم کا مرکز بنگیا ہے یہ سب کچھ اُنھیں کے دست و بازو کے کام ہیں سرکار انگریزی ہر طور پر جیسا بیان کیا جاچکا ہے مسلمانوں کی

مدد کرنے کو تیار تھی اور اب تک ہمہ تن مستعد ہی۔ اُس نے سید احمد خاں کی قدر کی اور سرکار انگریزی نے اپنی سرکاری امداد سے اور ہر قسم کی مدد سے اس اسلامی مدرسہ کی قدر افزائی کی جس کے سبب سے مسلمانوں کو آج وہ دن نصیب ہی کہ کالج کے دیکھنے کو بادشاہ افغانستان اور حضور پُرنور پرنس آف ویلس (جو اب ہمارے بادشاہ ہیں) ملک معظم کے فرزند ارجمند تشریف لائے اور محظوظ ہوئے۔ والیسرائے جو کہ ہمارے بادشاہ ملک معظم کے بطور قایم مقام ہندوستان کی سرزمین میں ہیں ضرور ایک بار اپنے ہندوستان میں قیام کے اندر یہاں تشریف لاتے ہیں اور ہر طور پر امداد فرماتے ہیں۔ سید احمد خاں نے جو اس سے بھی بڑھکر میراث اپنے مرنے کے بعد مسلمانوں کو ترکہ میں چھوڑی ہی وہ یہ ہی کہ ہر شہر اور قصبے میں علم کا چرچا پیدا ہو گیا ہی۔ مسلمانوں کو علم کی ضرورت معلوم ہو گئی ہی۔ اور امیر اور غریب اب جان چکے ہیں کہ تعلیم موجودہ جو نئی طرز پر ہوتی ہی اُس کے بغیر جینا مشکل ہو گیا ہی۔ اسی سے عزت ہی اور اس کے بغیر بے عزتی ہی۔

سید احمد خاں نے تعلیم کی بنیاد ڈالدی ہی، اور ہر شخص جو تعلیم پاکے اب قومی ضرورتوں کو دیکھتا ہی تو دل بے اختیار اس اہم کام میں کچھ بقدر ہمت حصہ لینے کو چاہتا ہی اور خال خال ایسے فدائی قوم بھی پیدا ہو گئے ہیں کہ جو "تعلیم۔ تعلیم" کے دُھن میں پڑے ہیں۔ اور کچھ نہ کچھ اس بارہ میں کر رہے ہیں۔ سید احمد خاں کو مسلمان لڑکوں کے تعلیم دلانے اور انھیں تعلیم کی رغبت پیدا کرنے سے اتنی مہلت نہ ملی کہ وہ لڑکیوں کے تعلیم دلانے کی طرف رُخ کرتے۔ اور اُنکا خیال صحیح نکلا کہ مرد جب تعلیم پا لینگے تو اپنی بچیوں کی تعلیم کا خود ہی سامان پیدا کر لینگے۔ چنانچہ آج جس قدر کوشش کہ لڑکوں کی تعلیم کی ہوتی ہی اُس سے کم لڑکیوں کی تعلیم کے لئے نہیں ہی۔ روشن خیال جناب بیگم صاحبہ دام اقبالہا والی بھوپال نے تعلیم نسواں کے امداد کا بیڑا اُٹھالیا ہی، اور ہر طور پر اُس میں مدد کرنے کو سرگرم ہیں۔ جناب شیخ عبداللہ صاحب وکیل علی گڑھ کی سعی جمیلہ اس اہم کام میں قابل تذکرہ ضرور ہیں۔ اُسی کا نتیجہ ہی کہ نارمل اسکول علی گڑھ میں قایم ہوا ہی۔ اور کیا تعجب ہی کہ جیسے سید احمد خاں نے مسلمان بچوں کی تعلیم کی مضبوط اور پائدار بنیاد رکھی ہی، ویسا ہی خدا کا فضل و کرم مسلمان بچیوں کے تعلیم کے متعلق بھی

شامل حال ہو جائے۔ کیونکہ یہ امر طے شدہ ہی کہ اگر لڑکے تعلیم پا گئے اور لڑکیاں بالکل علم سے بے بہرہ رہیں تو کبھی ترقی کی گاڑی آگے نہیں چل سکتی۔ جبتک کہ مرد اور عورت دونوں برابر برابر زور اور طاقت سے کندھا نہ لگائیں۔

اب وہ وقت آگیا ہی کہ تعلیم کے معاملہ میں ہر کس و ناکس کو کچھ نہ کچھ کرنا نہایت ضروری ہی۔ وہ وقت گیا کہ اکیلا شخص اتنے بڑے کام کو اٹھالے۔ اب ہر گھر کی بیوی۔ لڑکی۔ ماں۔ بہن کا فرض ہی کہ تعلیم کو پھیلاویں۔ غریب بچیوں کو علم کی ترغیب دیں۔ لکھنا پڑھنا سکھاویں اور جو مفید کتابیں شائع ہوں انھیں مفت تقسیم کریں۔ علم کے بغیر تم خدا کو کیسے پہچان سکتی ہو؟ اُس کی قدرت کے تماشے کیسے دیکھوگی؟ اُس کی عطا کی ہوئی نعمتوں کا دل سے شکر کیسے بجالاؤگی؟ کلام مجید کو کیسے پڑھوگی اور اسکے معنی مطلب کو کیسے پورے طور پر سمجھوگی؟ ہمارے پیغمبر صاحب کے حالات کتابوں میں لکھے ہیں انھیں کیسے پڑھوگی؟ اچھا اب دنیا کو لو۔ دنیا میں کیا ہوگیا اور کیا ہو رہا ہی۔ اس سے بغیر علم کے کیسے واقف ہو سکتی ہو یا تو دوسروں کے کہنے پر اعتبار کرلو اور سچ سمجھ لو۔ پھر دُنیا کے عجائب اور غرائب جس کو جاننا چاہو کیسے معلوم کروگی؟ اخبار تمہارے لئے جاری ہیں۔ انھیں کیسے پڑھوگی؟ اور اُس کے مطالعہ سے کیونکر فائدہ اُٹھاؤگی۔ دور دراز کے حالات کیسے معلوم کروگی؟ عزیزوں دوستوں کو کیسے خط لکھوگی؟

کھانا۔ پکانا۔ سینا۔ پرونا۔ کاڑھنا۔ بیل بوٹے بنانا۔ تم کو بتانے سے آسکتا ہی مگر کتابوں میں جو حالات درج ہوتے ہیں یا آجکل جو روز روز نئے نقشے بنتے ہیں اُن سے کیا فائدہ اُٹھاؤگی؟ آپس میں بات چیت کرتے کرتے جب تھک جاؤگی تو بھلا وقت گھڑی دو گھڑی کیسے کاٹوگی؟ بجز پڑھنے لکھنے کے تمہارا کیا سہارا ہوگا۔

سرکار انگریزی کا طرز حکومت

یہ جاننا چاہیئے کہ سرکار انگریزی کا مالک اور بادشاہ ہمارے شہنشاہ ملک معظم جارج پنجم ہیں۔ انکی ملکہ میری بادشاہ بیگم ہیں اور ان کے فرزند ارجمند حضور پر نور پرنس آف ویلز ہیں۔

ہمارے بادشاہ ملک معظم اپنے شاہزادگی کی حالت میں ہندوستان تشریف لا چکے ہیں اور یہاں کے حالات سے واقف ہو کر واپس تشریف لیگئے۔ چنانچہ بزمانہ ولیعہدی مسلمانوں کے کالج یعنی علی گڑھ کالج میں بھی خاصکر تشریف لائے تھے۔ اور تمام دن سارے حالات کا ملاحظہ بچشم خود فرمایا تھا۔ اور ولایت واپس جانے پر ایک بہت عالی شان دعوت میں اس قومی کالج کا خاصکر تذکرہ بھی فرمایا تھا۔

ہمارے بادشاہ ملک معظم دام اقبالہ ہندوستان اور بہت سے دوسرے ملکوں کے بادشاہ اور مالک ہیں۔ ان کا ایک وزیر اعظم ہے (اس وقت مسٹر اسکوئتھ ہیں) اور بہت سے دوسرے وزیر ہیں جو منسٹر کہلاتے ہیں اور ان کا کام جدا جدا بٹا ہوا ہے۔ چنانچہ ہندوستان کے کاروبار کے لئے ایک جدا سکرٹری ہے۔ جو ہندوستان کے کام کی نگرانی پر اور بہ حسن وخوبی چلانے کے لئے مامور ہے۔ آجکل مسٹر چمبرلین اس کام پر متعین ہیں۔ مسٹر چمبرلین کی امداد کے لئے اور صلاح مشورہ دینے کو ان کا جدا جلسہ شوریٰ ہے جسے انڈیا کونسل کہتے ہیں۔ تمام ہندوستان کے اہم امور ان کے مشورہ سے طے پاتے ہیں۔ اس کونسل میں ہندوستان کے تجربہ کار لوگ بھی شریک ہیں۔ چند سال گذرے حضور ملک معظم نے لارڈ مارلے کی سفارش سے دو ہندوستانی اس کونسل میں مقرر کئے ہیں ایک تو مسلمان دوسرے آجکل ایک سکھ صاحب ہیں۔ ان دو ہندوستانی صاحبوں کی تقرری پہلی بار ہوئی ہے۔ بادشاہ کی یہ نوازش قابل یاد رہیگی۔

ہندوستان میں ہمارے بادشاہ ملک معظم کے قائمقام وایسرائے رہتے ہیں جو گرمی میں شملہ پر قیام کرتے ہیں اور جاڑہ میں دہلی ان کا پایہ تخت ہے۔ تمام ہندوستان پر حکومت بادشاہ کی طرف سے ان کے ہی ہاتھ میں ہے۔ آجکل کے وایسرائے کا نام لارڈ ہارڈنگ دام اقبالہ ہے۔ ان کے دادا بھی ہندوستان میں وایسرائے رہ چکے ہیں۔

یہ خود نہایت امیر کبیر اور خاندانی ہونیکے علاوہ تمام رعایا پر پوری پوری توجہ اور شفقت رکھتے ہیں۔ ان کے بھی دو کونسل ہیں۔ ایک تو جو حکمرانی میں ان کو صلاح اور مشورہ سے مدد دیتی ہے۔ اس میں بھی ایک ہندوستانی صاحب شامل کئے گئے ہیں۔ اور دوسری کونسل واضعانِ قانون کی ہے جس میں ہندوستانی

زیادہ تعداد میں شامل ہیں۔ ان کا کام قانون بنانا یا ترمیم کرنا ہے۔ ان سب کے افسر اعلیٰ حضور والیسرائے خود ہیں اور میر مجلس بھی خود ہی ہیں۔ ہندوستان چند صوبوں میں تقسیم ہے جہاں گورنر یا لفٹنٹ گورنر حکومت کرتے ہیں اور والیسرائے کی ماتحتی میں کام انجام دیتے رہتے ہیں۔ مثلاً صوبہ مدراس اور بمبئی بنگال میں گورنر رہتے ہیں جو سیدھے ولایت سے مقرر ہوتے ہیں اور صوبہ ممالک سرحدی۔ پنجاب۔ ممالک متحدہ آگرہ و اودہ۔ بہار۔ آسام۔ اور برہما میں لفٹنٹ گورنر رہتے ہیں جن کو والیسرائے خود ہی ہندوستان کے اعلیٰ انگریز افسران میں سے مقرر کیا کرتے ہیں۔ چند چیف کمشنریاں بھی ہیں۔ ہر صوبہ میں چند "قسمتیں" ہیں جہاں کمشنر رہتے ہیں اور گورنر یا لفٹنٹ گورنر کی تحت میں ضلعوں کی نگرانی رکھتے ہیں اور ہر ضلع میں کلکٹر یا ڈپٹی کمشنر ہوتے ہیں جو سارے ضلع کے کاموں کی نگرانی پر مقرر ہیں۔ چار یا پانچ اضلاع ملکر ایک "قسمت" بنا دئے گئے ہیں۔ ہر ضلع میں چند ٹکڑے کر دیے گئے ہیں جو پرگنہ اور تحصیل کہلاتے ہیں ہر تحصیل میں ایک تحصیلدار ہوتا ہے اور ایک ڈپٹی کلکٹر ان پر مقرر ہیں۔

امن و امان کے قایم رہنے کے واسطے پولس اور کانسٹبل کا محکمہ قایم ہے۔ یہ لوگ چوری مارپیٹ اور ہر قسم کے جرموں کا انسداد کرتے و نگرانی رکھتے ہیں۔ جن کا کام حفاظت جان اور مال رعایا کا ہے۔ والیسرائے سے تحصیلدار تک بلکہ تحصیلدار سے پٹواری و چوکیداری تک ہر ایک سلسلہ بہ سلسلہ ایک دوسرے کے بند میں جکڑے ہوئے ہیں یعنی ہر ایک ان میں سے اپنے افسر کے سامنے جوابدہ ہے۔ گویا کہ افسری اور ماتحتی انگریزی حکومت کی بنیاد ہے۔ عدالتوں کا حال سنو۔

منصف دیوانی کا کام یعنی لین دین جائداد وغیرہ کا کام یعنی تصفیہ کریں۔ اور تحصیلدار مال کا یعنی مقدمات درمیان رعایا اور زمیندار کے جھگڑوں کا فیصلہ اور کسی قدر فوجداری کے ادنیٰ درجہ کا کام بھی کرتے ہیں۔ ڈپٹی کلکٹر بھی مال اور فوجداری کا کام کرتے ہیں۔ مال کے کام کے افسر کلکٹر ضلع اور کمشنر قسمت ہیں اور دیوانی اور فوجداری کے کام کا افسر "جج" ضلع ہے۔ جج اور کلکٹر کے یہاں اپیل آتی ہے یعنی افسر ماتحت کے کام کی جانچ ہوتی ہے اور وہاں چاہے عدالت ماتحت کا فیصلہ بحال رہے یا منسوخ کر دیا جائے ہر صوبہ میں ہائی کورٹ یا چیف کورٹ مقرر ہیں۔ مثلاً مدراس۔ کلکتہ۔ بمبئی۔ اور الٰہ آباد۔ اب

پٹنہ میں بھی ہائی کورٹ ہے۔ اور پنجاب میں چیف کورٹ ہے جو تمام عدالتوں کے افسر اعلیٰ تر ہیں۔ ان عدالت العالیہ میں تمام ماتحتوں کے کام کی جانچ نہایت احتیاط اور غور کے ساتھ ہوتی ہے۔ اور فریقوں کو کامل انصاف کی اُمید رہتی ہے۔ ان تمام ہائی کورٹ اور چیف کورٹ پر ایک دوسری عدالت حکمراں ہے۔ جو ولایت میں جوڈیشل کمیٹی کے نام سے کام کرتی ہے۔ یہاں کے احکام قطعی ہیں اور پھر کوئی چارہ جوئی کا ذریعہ باقی نہیں رہتا ہے۔ بجز مراحم خسروانہ کے جو ہمارے بادشاہ ملک معظم وقتاً فوقتاً برتتے رہتے ہیں ان تمام عدالتوں کو بھی اپنے افسروں کے احکام کی پابندی لازم اور ضروری ہے۔

موجودہ اسلامی دنیا کے حالات

وہ دن گئے کہ مسلمان فتح کرتے اور ہر قدم پر آگے بڑھتے جاتے تھے جبکہ علم ظفر اُن کے داہنے ہاتھ میں اور علم کا پھریرہ بائیں ہاتھ میں تھا، دوسروں کے مقابل ایک قدم پیچھے رہنا اُن کے لئے عار تھا اور دیگر اقوام کی رہنمائی کرنا اُن کا شعار صدیوں تک تھا۔ اب علم ظفر کے عوض نکبت اور نحوست کے جھنڈے اُن کے ہاتھ میں ہوں تو ہوں ورنہ خانہ جنگیاں اور عیش پرستی نے قوم کی قوم کو کھالیا ہے۔ علم جو تھا وہ بھی ہاتھ سے جاتا رہا اور اُس کے عوض میں جہالت اور تعصب اور غرور اور گھمنڈ باقی رہ گیا ہے سلطنتیں ٹکڑے ٹکڑے ہوگئیں۔ گرے۔ ذلیل ہوئے۔ مگر ہوشیار نہ ہونا تھا نہ ہوئے۔ یورپ اور ایشیا اور افریقہ میں اُن کی کامیابی کے جھنڈے صدیوں تک لہرا کے پیچ دیے گئے۔ اب جو باقی ہیں وہ بھی اگر یونہی "چہ خفتہ چہ بیدار" کے مصداق رہے اور اگر یہی حالت رہی تو خدا ہی اُن کا حافظ ہے۔ اب جو اسلامی سلطنتیں باقی رہ گئی ہیں وہ مفصلہ ذیل ہیں:-

سلطنت ٹرکی جو "روم" کے نام سے عام طور پر مشہور ہے۔ یہ سلطنت پہلے بڑے عروج پر تھی اس میں اب گرتے گرتے پھر جان پڑتی نظر آتی تھی کہ آجکل کی بے مثال جنگ آن پہونچی۔ انکا ملک براعظم یورپ اور ایشیا دونوں میں پھیلا ہوا ہے۔ عرب اور شام پر انہیں کی حکومت ہے۔ ان کے ملک میں عیسائیوں کی قابل تعظیم مذہبی مقامات واقع ہیں۔ اور سلطان روم خادم حرمین شریفین

بھی ہونے سے خاص عزت رکھتے ہیں۔

فارس۔ دوسری سلطنت فارس کی ہو جو سارے ملک کا ملک مسلمان رعایا ہو اور لوگ یہاں زیادہ تر اہل تشیعہ ہیں۔ یہ سلطنت بھی عرصہ سے قایم ہو۔ ملک نہایت زرخیز اور سپاہی نہایت جوانمرد ہیں۔ مگر لاعلمی اور کم توجہی سے سارے ملک کی حالت ابتر ہو۔ نئی روشنی کا اثر پڑا ہو اور لوگوں نے سلطنت کے معاملات میں حصہ لینا چاہا ہو۔ چنانچہ مجلس شوریٰ یعنی پارلیمنٹ حال میں قایم ہوئی، مگر عرصہ دراز تک خونریزی کے بعد لوگ پوری پوری حکومت کرنے کے رمز کو جانیں تو جانیں ورنہ فی الحال تو طوایف الملوکی کے مزے آرہے ہیں۔ آجکل یہاں پر جان سے مار ڈالنا تو بڑی بات نہیں ہو۔

افغانستان۔ تیسری سلطنت افغانستان کی ہو۔ جہاں امیر حبیب اللہ خاں بادشاہ ہیں جو سنہ ۱۹۰۶ء میں ہندوستان کو سیر کی غرض سے آئے تھے۔ اور قومی کالج یعنی علی گڑھ کالج میں خاصکر تشریف لائے تھے۔ اور ملاحظہ فرماکر کالج سے اور سارے انتظامات سے بدرجہ کمال محظوظ ہوئے تھے ان کا ملک چنداں زرخیز نہیں اور لوگ نہایت سخت طبیعت اور عادی کشت وخوں ہیں۔ ملک بھی کچھ بہت بڑا نہیں ہو مگر لوگوں میں اب بیداری کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ یہاں پر بھی ملکی صنعت اور حرفت کے جانب اب کچھ کچھ بیداری پیدا ہو چلی ہو۔

مصر۔ سلطنت مصر کے عجیب واقعات ہیں۔ ایک جانب تو سلطنت روم سے تعلق اور واسطہ تھا۔ دوسری جانب سرکار برطانیہ کی زیر عاطفت اور پھر بھی خود مختاری کا دعویٰ تھا سرکار برطانیہ کے زیر عاطفت ہونے سے اُن کے عساکر اور افواج میں خاص درستگی اور سلیقہ پیدا ہو گیا ہو۔ اور علم کی طرف وہی توجہ کا عالم ہو جو سلطنت برطانیہ نے ہمارے ہندوستان کے ہر گوشہ میں پیدا کردیا ہو۔ یہاں بھی نئی روشنی بدرجہ اعلیٰ آگئی ہو اور کہاں سے آئی، محض سلطنت برطانیہ کے مابین تعلقات سے آئی ہو۔ جس کا نتیجہ ہو کہ لوگ بہت کچھ ترقی کے میدان میں ہاتھ پاؤں مارنا چاہتے ہیں۔ ملک زرخیز ہو۔ مگر لوگ ابتک حرفت وصنعت سے بے بہرہ رہے ہیں۔ اب مصر

حال ہی میں بالکل زیرنگین ہمارے شاہنشاہ کے آگیا ہے۔

ہندوستان۔ سب سے بڑی سلطنت جہاں پر کہ مسلمانوں کی مردم شماری سب اسلامی سلطنت سے زیادہ ہے وہ خود ہندوستان ہے اور ہمارے بادشاہ ملک معظم حضور پُرنور جارج پنجم ہیں۔ یہاں پر کشت وخون نہیں ہیں۔ کہ جو دوسرے مقامات پر آئے دن ہوتے رہتے ہیں۔ یہاں وہ آزادی مذہبی حاصل ہے کہ جو دوسرے ممالک کو میسر نہیں۔ یہاں پر ترقی کا میدان کشادہ ہے کہ جہانتک انسانی ہمت ہو بڑھتے چلے جاؤ۔ تعلیم کا وہ چرچا ہے کہ جو یورپ اور امریکہ کے بعد شاید ہی دوسرے ممالک میں ہو تو ہو۔ سلطنت مراکو اور سلطان زنجبار اور مثل ان کے دوسرے بہتیرے چھوٹے چھوٹے مسلمان فرماں روا باقی رہ گئے ہیں جو اب محض پُرانے عالیشان ترقی کے نشان رہگئے ہیں۔

ہندوستان میں حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ کا ذکر نہایت ضروری ہے اس لئے کہ انکی ریاست ہندوستان کے خود مختار ریاستوں میں ممتاز اور سب سے بڑی ہے۔ ملک انکا نہایت زرخیز اور رعایا اپنے آقا پر جان دینے والی ہے۔ نظام سابق نواب میر محبوب علی خاں جنت آشیاں کے قدردان اور قدرشناس وزیر سالار جنگ نے ہی نواب محسن الملک بہادر مرحوم اور نواب مشتاق حسین خاں صاحب جیسے مدبروں کو ریاست میں بلایا تھا۔ اس کا پایۂ تخت حیدرآباد ہے جو بڑا مشہور شہر ہندوستان میں ہے۔

ہندوستان کی دوسری ہندوستانی اسلامی ریاست جو قابل ذکر ہے وہ نواب بیگم صاحبہ بھوپال خلد اللہ ملکہا کی زیر حکومت ریاست ہے۔ ان نواب بیگم صاحبہ نے اپنے تمام ملک میں نئی جان پھونک رکھی ہے۔ اوران کی ریاست کے تمام دفاتر اور اہلکاران پر خاص توجہ ہے۔ تعلیمات پر خاص توجہ ہے۔ بالخصوص تعلیم نسواں سے انھیں بہت ہی دلچسپی ہے جس کا بیڑا جناب بیگم صاحبہ نے اُٹھالیا ہے اور ان کے زیر عاطفت کیا عجب ہے کہ تعلیم نسواں کا پودا بڑھے اور پروان چڑھے اور بارور ہو۔

ریاستہائے بہاولپور۔ جاورہ۔ مالیر کوٹلہ۔ ٹونک۔ رامپور وغیرہ اور بھی اسلامی ریاستیں ہندوستان میں ہیں۔ چین میں مسلمانوں کی مردم شماری بہت زیادہ ہے۔

دنیا کی کچھ کیفیت

یہ کہا جا چکا ہی کہ ہماری دنیا یعنی زمین مثل نارنگی کے گول ہی اور اُس کے دونوں سرے ذرا چپٹے ہیں اور یہ کہ دنیا سورج کے گرد طواف کرتی ہی اور چاند دُنیا کے گرد گھومتا ہی - اب یہ جاننا چاہئے کہ دنیا کا زیادہ حصہ پانی ہی پانی ہی - اور بہت کم حصہ زمین کا خشک ہی یعنی اگر ساری دنیا کو چار حصوں میں تقسیم کریں تو زمین ایک حصہ اور پانی تین حصہ کے قریب ہوگا بعض اشخاص کا خیال ہی کہ ساری دنیا پہلے پانی ہی تھی اور رفتہ رفتہ پانی خشک ہونے سے زمین نمودار ہوتی رہی ہی - چنانچہ اب بھی نئی زمین وقتاً فوقتاً نکلتی آتی ہی - سمندر اور بحر اعظم زمین کی دُنیا کے چاروں طرف محیط ہیں -

سمندر کا پانی نہایت کھارا ہی - اور پینے کے قابل نہیں ہوتا ہی - مگر نہانے اور جسم دھونے کے لئے بعض عوارض میں نہایت مفید ثابت ہوا ہی - اچھی صحت میں بھی لوگ نہاتے ہیں - اُس کے نمک میں خاص صفت ہی کہ جو جسم پر اچھا اثر ڈالتی ہی -

زمین کو چھ بڑے بڑے حصوں میں تقسیم کیا ہی جو بر اعظم کہلاتے ہیں -

(۱) افریقہ جہاں مصر، سوڈان اور مراکو وغیرہ واقع ہی -

(۲) ایشیا جس میں ہندوستان - چین - جاپان - افغانستان - فارس وغیرہ ہی -

(۳) یورپ - جہاں ولایت یعنی انگلستان - فرانس - جرمنی - استنبول وغیرہ ہی -

(۴) شمالی امریکہ جہاں جمہوری سلطنت ہی اور کنیڈا وغیرہ ہی -

(۵) جنوبی امریکہ -

(۶) آسٹریلیا -

ایشیا اور یورپ کے تعلقات ایسے ہیں کہ ان دونوں کا ذکر بتفصیل ضروری ہی - ایشیا میں ہندوستان ہی جہاں ہم لوگ رہتے ہیں - عرب ہی کہ جہاں ہمارے پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے اسلام کی بنیاد ڈالی اور جہاں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ اور کربلائے معلیٰ ہیں - یہاں افغانستان ہی - یہاں

فارس ہے۔ یہاں چین ہے جو کہ سب سے پُرانی قوم سمجھی جاتی ہے۔ جس نے سب سے پہلے ترقی اور علم کی طرف میلان کیا۔ ایشیا ہی میں جاپان ہے کہ جو آج سے پچاس برس پیشتر ایک گمنام چھوٹی سلطنت تھی۔ اور آج روس سے ٹکرانے کے بعد بڑی سلطنت شمار ہوتی ہے۔ ایشیا ایک پرانا دلچسپ براعظم رہا ہے۔

یورپ کو لو یہیں انگلستان واقع ہے جس کا کہ پایۂ تخت لندن ہے کہ جو اس وقت دنیا جہان کے بڑے شہروں میں سے سب سے زیادہ ممتاز ہے۔ یہاں یورپ میں نیز سلطنت ٹرکی کا پایۂ تخت قسطنطنیہ بھی ہے یہیں فرانس ہے اور جرمنی کے ملک ہیں۔ فرانس جمہوری سلطنت ہے کہ جس کا کوئی بادشاہ نہیں ہے بلکہ اسکا افسر اعلیٰ پریذیڈنٹ ہوتا ہے جس کو لوگ اور اُن کے مجالس وقتاً فوقتاً مقرر کرتے ہیں۔ یورپ ہی میں ملک اسپین ہے کہ جہاں مسلمان قریب سات سو برس تک حکمراں رہ چکے ہیں۔ سارے ملک کو نمونۂ شادابی اور آبادی اور زرخیزی بناکر یورپ کو دکھا چکے ہیں اور جہاں سے بوجہ آپس کے نفاق کے سارے ملک سے ایسے باہر کئے گئے ہیں کہ آج سارے اسپین میں ایک مسلمان باشندہ شاید ہی ملے۔ یورپ ہی میں روس اور اٹلی اور سوئزرلینڈ بھی ہے۔ یورپ کا موسم بالعموم سرد اور ایشیا کا گرم ہے۔ یورپ کے لوگ بالعموم گورے اور سپید ہوتے ہیں اور ایشیا کے سانولے یا کالے۔ یا گندمی رنگ کے۔ یورپ کے لوگوں کے بال سُرخ یا بھورے یا سپیدی مائل ہیں اُن کی آنکھیں نیلی ہیں اور قدآور جوان ہوتے ہیں۔ ایشیا میں بال سیاہ آنکھیں سیاہ لوگوں کی ہوتی ہیں اور جاپان چین اور برہما کے لوگ میانہ قد مگر نہایت مضبوط ہوتے ہیں۔

چین اور جاپان کے لوگوں کی آنکھیں اور ناک سارے ایشیا کے لوگوں سے جدا ہیں۔ ہندوستان ایشیا کی گویا کہ جان ہے۔ سارا ملک زراعتی ہے۔ جہاں بالعموم کاشتکاری کا چرچا ہے۔ کشمیر ہیں گویا کہ عجب بہار ہے۔ جس کے آگے یورپ اور امریکہ کے نظارے بھی مات ہیں۔ وہاں کے پھول کی پیداوار خداداد و خودرو ہوتے ہیں۔ پہاڑ اور ندیاں سب ملکر دیکھنے والوں کو حالت وجد میں لاتی ہیں۔ ہندوستان کی عام گرمی سے بھاگنے کو یہ عجیب خوشگوار ملک ہے۔ ایشیا گو کہ کم و بیش سارا گرم ہے اور ہندوستان میں بعض مقامات ایسے ہیں کہ جہاں گرمی میں سخت گرمی پڑتی ہے اور سردی میں سخت سردی مگر پھر بھی تمام ایشیا میں اور بالخصوص ہندوستان میں ایسے بھی چند مقامات ہیں کہ جہاں اگر کوئی مستقل طور پر رہے تو گرمی کی تکلیف

سے آگاہ تک نہیں ہوسکتا ہے۔ مثلاً پہاڑ جو ٹھنڈے ہیں وہاں یورپ کے موسم کا لطف آتا ہے۔ شملہ اور دارجلنگ منصوری اور نینی تال وغیرہ انہیں اوصاف کے باعث شہرۂ آفاق ہو رہے ہیں۔

ہندوستان کے شہروں میں بمبئی اور کلکتہ زیادہ مشہور ہیں۔ کلکتہ ابتک ہندوستان کا دارالسلطنت تھا، یہاں موسم سرما میں ملک معظم کے قائمقام حضور والیسرائے تشریف رکھتے تھے۔ کلکتہ اور اس کے نواح کے باشندے بنگالی کہلاتے ہیں۔ انہوں نے تجارت اور تحصیل علم میں بہت کچھ ترقی حاصل کی اور تعلیم سے نفع اٹھایا ہے۔ ان کو سب سے زیادہ سلطنت برطانیہ کا دعاگو رہنا ضروری ہے کیونکہ انکی قوم کا عروج اسی سلطنت سے وابستہ ہے۔

بمبئی بڑا شہر ہے جو ولایت جانے کا صدر دروازہ بنا ہوا ہے اور بیشتر لوگ سمندر کے سفر یہیں سے اختیار کرتے ہیں۔ پارسیوں کی شائستگی اور تجارت میں معراج کمال تک پہونچنے کا نمونہ یہیں موجود ہے۔ انکی عورتیں تمام ہندوستان کی دیگر قوموں کے مقابلہ میں بطور مثال کے پیش کی جاتی ہیں۔ علم کی طرف انکی رغبت اور "خذ ما صفا ودع ما کدر" کے اصول کی پابندی یعنی یہ کہ اچھی باتیں سیکھو اور بری باتوں کو چھوڑو۔ دراصل انہیں میں پایا جاتا ہے۔ یہاں مسلمان بھی تجارت میں آگے ہیں۔

مدراس یہ بھی بڑا شہر ہے۔ حیدرآباد گویا کہ ہندوستانی ریاستوں کے شہروں میں سب سے بڑا شہر ہے۔ عمارات یہاں کی سر بفلک اور اسم بامسمیٰ ہیں یعنی فلک منزل، آسمان منزل وغیرہم۔

دہلی۔ لاہور۔ لکھنؤ۔ آگرہ۔ بنارس۔ سب بڑے شہر ہیں اور انسے عام طور پر لوگ واقف ہیں چنانچہ ان کے متعلق تفصیل کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

بنارس ہندوؤں کا علمی مرکز ابتک ہے اور بڑا مقام مقدس ہندوؤں کے لئے ہے۔ دہلی گویا کہ سیکڑوں برس تک سلطنت مغلیہ کا پاے تخت رہا ہے۔ اور آگرہ بھی۔ لکھنؤ شاہ اودھ کا پاے تخت رہ چکا ہے جبکہ فیض آباد سے پاے تخت اٹھا لیا گیا تھا۔ اب ۱۲ دسمبر ۱۹۱۱ء کے دربار میں شہنشاہ معظم نے اعلان فرمایا ہے کہ دہلی پھر بجائے کلکتہ کے دارالسلطنت قرار دیا جاتا ہے۔ اس طرح پر صدیوں بعد دہلی کے نصیب پھر جاگے ہیں۔

براعظم ایشیا کے مختلف حالات

ایشیا کے براعظم کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس میں سب سے اونچے پہاڑ ہیں جو دنیا کے تمام پہاڑوں پر اونچائی میں ممتاز ہیں۔ کوہ ہمالیہ ایک سلسلہ پہاڑوں کا ہے جو سیکڑوں میل تک کم و بیش پھیلا ہوا ہے۔ اس میں متعدد چوٹیاں ہیں۔

گوری شنکر یا کوہ ایورسٹ دنیا جہان کے پہاڑوں کی چوٹیوں سے بلند ہے۔ ان پہاڑوں پر برف گرتی ہے۔ اور اکثر مقامات پر سارا پہاڑ برف سے ڈھنپ جاتا ہے۔ برف گرمی کی تمازت سے موسم گرما میں دریا میں بہکر پانی ہو جاتی ہے۔ بیشتر دریا پہاڑ سے نکلتی ہے۔ اور بہتی ہوئی سمندر میں جا گرتی ہے۔ جن ملکوں میں دریا گذرتی ہیں۔ وہاں زمین کو شاداب کرتی جاتی ہیں۔ دریا کے پانی سے لوگ کھیتوں کو سینچتے ہیں۔ اس کے ذریعہ سے آمد و رفت بذریعہ کشتی کے کرتے ہیں۔ ریل تو اب ہندوستان میں نکلی ہے ورنہ سڑک یا دریا ہی ذریعہ آمد و رفت ہمیشہ سے تھے۔ سڑک پر لوگ چلتے تھے اور بھاری مال و اسباب کشتیوں پر لاد کر ادھر سے اُدھر آتے جاتے تھے۔ چنانچہ جتنے مشہور شہر ہیں وہ ضرور کسی نہ کسی دریا پر واقع ہیں۔ مثلاً دہلی۔ آگرہ۔ الہ آباد۔ کانپور۔ لکھنؤ۔ اجودھیا۔ بنارس۔ پٹنہ وغیرہ وغیرہ

زمین کے اندر بڑی گرمی ہے۔ اس کے ثبوت کے لئے ایسے چشمے نکلے ہیں کہ جن کا پانی کھولتا ہوا نکلتا ہے۔ اس قدر بعض وقت گرم ہوتا ہے کہ انسان اُسے جلدی چھو بھی نہیں سکتا ہے اور زمین کی گرمی کا دوسرا ثبوت وہ پہاڑ آتش فشاں ہیں کہ جو وقتاً فوقتاً دنیا جہان کے بعض بعض مقامات پر آگ برساتے ہیں۔ جن سے بڑے بڑے شہر غارت ہو گئے اور ہزاروں جانیں تلف ہوئی ہیں۔ ان گرم چشموں اور آتش فشاں کی آگ سے ظاہر ہے کہ زمین کے اندر نہایت درجہ گرمی ہے۔ کوہ آتش فشاں کے تہ سے کوئی نباہ نہیں ہوتی ہے۔ کوسوں کے حلقے میں جلتے ہوئے پہاڑ کے ذرات اور راکھ گرتے ہیں اور جو دھاتیں از قسم لوہا۔ چاندی۔ سونا وغیرہ نہایت گہرے کان سے نکالے گئے ہیں وہ بھی گرم ملتے ہیں۔ کوہ آتش فشاں کی تین قسمیں ہیں۔ اوّل تو جو آگ برابر گراتے رہتے ہیں۔ دوسرے وہ جو کہ گرا کے فی الحال خاموش

ہیں، حالت سکون میں ہیں۔ تیسرے جو اپنے فرائض ادا کرنے کے بعد اب مفقود ہو گئے۔ بعض اوقات کوہ آتش فشاں کی ابتدا زلزلہ سے ہوتی ہے۔ زلزلہ سے بڑی بڑی چٹان اور مکانات تہ و بالا ہو جاتے ہیں۔ لوگ گھروں کے اندر دبکے مر جاتے ہیں۔ جیسے کہ بارود کے خزانہ میں آگ لگ جانے سے یک گونہ زلزلہ کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جاپان اور جنوبی امریکہ میں زلزلے بہ کثرت واقع ہوتے ہیں۔ ہندوستان میں بھی اس کا اثر آجاتا ہے۔

ایشیا کی سرزمین میں بیشمار ایسے پھل پھول اور سبزیاں ہیں کہ جو دوسرے ملکوں میں نہیں ہوتیں دوسرے ملکوں میں یہاں سے لیجا کر لگاتے ہیں۔ بعض تو ہو جاتے ہیں۔ مگر بعض غیر آب و ہوا و زمین میں شاداب نہیں رہتے۔ مثلاً "آم" یورپ کی سرزمین میں شاداب نہیں ہوتے۔ تمامی ایشیا اور بالخصوص افغانستان کے میوے مشہور ہیں اور دور دور جاتے ہیں۔

ایشیا میں جنگلی جانوروں کی بھی کمی نہیں ہے۔ ہاتھی۔ شیر۔ ریچھ۔ ہرن کی متعدد قسمیں۔ پرندے طرح طرح کی مرغابیاں "خوش لباس" اور خوش الحان چڑیاں بھری پڑی ہیں۔ سانپ کے اقسام اس قدر ہیں کہ جو بجائے خود ایک تفصیل کی محتاج ہیں۔ اُن کے نقش و نگار، اُن کے زہر، اُن کے قد و قامت اس قدر مختلف ہیں کہ جو ایک طوالت کے ساتھ بیان کئے جا سکتے ہیں۔

ایشیا میں مذہبوں کی بھی کمی نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دنیا کے مشہور مذاہب کی بنیاد ایشیا کے گوشوں میں ہے مثلاً بدھ کے مذہب کی۔ ہندو مذہب کی۔ مسلمان کے دین کی۔ خود عیسوی مذہب کی، زردشت کی۔ یہودیوں کے مذہب کی وغیرہ وغیرہ۔

ایشیا کے خوشبودار مصالحہ دُنیا جہان میں سیکڑوں برسوں سے مشہور رہے ہیں۔ روئی کی پیداوار کہ جس سے سارے سوتی کپڑے بنتے ہیں ایشیا میں بہت ہوتی ہے اور یہاں کے ریشم بھی عرصہ سے استعمال ہوتے رہے ہیں۔ رنگ آمیزی بھی ایشیا کی مشہور تھی۔ اب تک نیل کے رنگ کی تجارت ہندوستان کے لئے مخصوص ہے۔

معدنیات کی کانیں بھی ایشیا میں کم نہیں ہیں۔ سونا۔ چاندی۔ رانگا۔ سیسہ۔ لوہا۔ تانبا۔ سنگ

ہندوستان اور دوسرے ایشیائی ملکوں میں ہے۔ ہندوستان میں سرکار برطانیہ نے مثل دیگر صیغوں کے اس طرف بھی توجہ کر رکھی ہے، اور بہتیری کانیں نکلیں اور نکلتی جاتی ہیں۔ مگر دوسرے ایشیائی ممالک میں جہاں سلطنت کی توجہ ہر طرف نہیں ہے، وہاں ابتک یہ بھی خبر نہیں ہے کہ کیا کیا منفعت کے ذرائع خود اپنے ہی ملک میں موجود ہیں۔

دستکاری بھی کچھ کم قابل تعریف ایشیا کی نہیں رہی ہے۔ مثلاً کشمیر کے شال دوشالے کے برابر اتبک کہیں نہیں بُنے گئے ہیں۔ یا بنارس کے کمخواب۔ یا کشمیر کی کٹی کے کام جو دراصل کاغذ سے بنائے جاتے ہیں۔ آج ہندوستان میں جو اس قدر ریلیں ہزارہا میل کی چل رہی ہیں اور کارخانے انجنوں کے ذریعہ سے جاری ہو رہے ہیں انہیں کسقدر لکڑی کا صرف ہوتا اگر یہ سب ضرورتیں پتھر کے کوئلے سے پوری نہ ہو جاتیں۔

یورپ

یورپ کا براعظم اس وقت ساری دنیا کا سرتاج بنا ہوا ہے۔ اہل یورپ پر تمام دنیا کی نگاہیں پڑ رہی ہیں۔ اسکی بساط رقبہ کے اعتبار سے زیادہ نہیں ہے۔ ایشیا اور افریقہ سے کہیں کم ہے۔ مگر یہاں کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں وہ کارنمایاں کر چکی ہیں۔ اور اس قدر زیادہ کر رہی ہیں کہ جو دنیا جہان کو حالت تعجب میں ڈالتی ہیں۔

روس رقبے میں سب سے بڑی سلطنت ہے جو یورپ کے حصۂ کثیر پر حاوی ہے وہ سلطنت روس ہے۔ مگر آبادی کے لحاظ سے کچھ زیادہ فوقیت نہیں رکھتی ہے۔ یہاں خودمختارانہ سلطنت کا رویہ ہے۔ بادشاہ سب کچھ ہے۔ رعایا کی آواز سلطنت کے کاروبار میں لینے کے لئے ایک مجلس قایم کی گئی ہے کہ جس کو ڈوما کہتے ہیں۔ اس سلطنت میں مسلمان۔ عیسائی اور یہودی بکثرت ہیں۔ فوجی طاقت بھی روس کی بڑھی چڑھی ہے۔ پیٹرزگراڈ اس کا پایہ تخت ہے۔

جرمنی کی سلطنت دوسری یورپ کی سلطنت ہے۔ اس میں بہت سی چھوٹی ریاستیں ہیں مگر سب کا شاہنشاہ ایک ہے جس کو قیصر جرمنی کہتے ہیں۔ اس سلطنت نے علوم و فنون میں سرعت کے

ساتھ ترقی کی ہے۔ تجارت یہاں کی دنیا پر چھائی ہوئی تھی۔ برلن اس کا پایۂ تخت ہے۔ تعلیم یہاں پر لازمی ہے، کوئی اس سے بچ نہیں سکتا ہے۔ یہاں پر فوجی خدمت بھی لازمی ہے۔ اور ہر اہل جرمنی پر لازم ہے۔

فرانس کی سلطنت دوسری بڑی یورپ کی سلطنت ہے جہاں عجیب و غریب انقلابات ہو چکے ہیں یہاں پر صدہا سال تک بادشاہی رہ چکی ہے، مگر ایک بارگی نیست و نابود ہو گئی۔ اب جمہوری سلطنت یہاں پر ہے۔ فرانس کے کارنامے اٹھارہویں صدی کے آخر میں اور اُنیسویں کے شروع میں حیرت انگیز ہیں۔ ایک شخص نپولین بوناپارٹ پیدا ہو گیا تھا، جس نے سارے فرانس کو جگا دیا تھا، اور فرانس سارے یورپ کے مقابل جنگ پر آمادہ ہو گیا تھا۔ برسوں لڑائیاں ہوئیں بالآخر وہ شخص قید ہو گیا اور پھر فرانس پہلی حالت پر آگیا۔ تب سے کئی بار انقلابات ہوئے۔ اب ساری رعایا سلطنت کے کاموں کی محافظ ہے۔ اُن کی جانب سے ایک سربرآوردہ افسر ہے جو پریذیڈنٹ کہلاتا ہے۔ ملک نہایت زرخیز ہے۔ پیرس اس کا پایۂ تخت ہے کہ جو تمام شہروں کا عروس خیال کیا جاتا ہے۔ لوگوں میں نفاست بہت زیادہ ہے۔ اس ملک کی بری اور بحری طاقت بھی کچھ کم نہیں ہے۔ افریقہ میں بھی ان کے حصّے ہیں۔ تعلیم عام ہے۔ اور فوجی خدمت ہر شخص پر لازم ہے۔ علمی ترقی بھی یہاں بہت رہی ہے۔

آسٹرو ہنگری۔ یہ ملک وسط یورپ میں ہے۔ یہاں پر بادشاہی ہے کہ جس کے مجالس شوریٰ ہیں۔ آسٹرو ہنگری دو ملک ایک ہی بادشاہ کے تحت میں ہیں۔

یہاں پر بھی خوشحالی اور تجارت کی ترقی کے آثار ظاہر تھے۔ بوڈاپسٹ اس کا پایۂ تخت ہے۔ یہ بھی ایک بڑا اور شاندار شہر ہے۔

انگلینڈ۔ انگلستان عظمیٰ کے متعلق حالات اس قدر دلچسپ ہیں اور اس سلطنت سے اس قدر ہمارا رشتہ گہرا ہے کہ اس کی تفصیل دوسرے مضمون کے پیرایہ میں بیان ہو گی۔

اسپین۔ یہ ملک جو مسلمانوں کے عہد میں نہایت زرخیز تھا اب پھر گمنامی میں پڑ گیا ہے۔ اس کا پایۂ تخت میڈرڈ ہے۔ اور بادشاہ مع مجالس شوریٰ کے سلطنت کو چلاتا ہے۔

پورٹوگال۔ اسپین سے ملحق ریاست کا نام ہے۔ سلطنت چھوٹی مگر لوگ جوشیلے ہیں اور یہاں

کے لوگ سیاح ہو چکے ہیں اس کا پایہ تخت لسبن ہے۔

اٹلی کے حالات بھی نہایت دلچسپ رہے ہیں یہ یورپ کی بڑی سلطنتوں میں سے ہے اور ہر طور پر ترقی کرتی جاتی ہے۔ یہاں پہلے پوپ کی حکومت رہ چکی ہے۔ ابتک پوپ کی وقعت ہے۔ اس کا پایہ تخت روم ہے۔ یہاں کی عمارات نہایت شاندار ہیں۔ بحری قوت بڑی ہے۔

ناروے وسوڈن، ڈنمارک، ہالینڈ، بلجیم، دوسری چھوٹی چھوٹی سلطنتیں ہیں علاوہ سرویا بلگیریا وغیرہ کے۔

انگلینڈ کے حالات

انگلستان جس کو عام طور پر لوگ ولایت کہتے ہیں۔ وہ جزیرہ ہے کہ جس کے چاروں طرف پانی ہی پانی ہے۔ انگلستان کے علاوہ اسکاٹلینڈ و آئرلینڈ و ویلز اسکے اجزا ہیں سب کے بادشاہ ہمارے حضرت جارج پنجم دام اقبالہٗ ملک معظم و قیصر ہند ہیں پہلے اسکاٹ لینڈ جدا تھا اور آئرلینڈ بھی مگر اب سب شیر و شکر ہو گئے ہیں۔ یہاں کے باشندے بالعموم عیسائی ہیں۔ اور خال خال یہودی بھی۔ اور اب چند مسلمان بھی ہو گئے ہیں۔ ان سب میں ایسی روح ہے کہ اپنے کو انگلستان کے نام پر قربان کرنیکے لئے ہر دم آمادہ رہتے ہیں۔ اس بابت عیسائی اور یہودی کی کچھ تفریق نہیں ہے۔ آزادی یہاں کی ہوا میں ہے۔ حضرت بادشاہ سلامت کو نہایت محبت سے رعایا کا خیال ہے اور رعایا بھی بادشاہ اور شاہی خاندان پر جان دادہ ہے۔ رعایا کو قومی خرچ کرنے میں کسی طرح دریغ نہیں ہے۔ لوگ انگلستان کے نام پر گھر بار نثار کرتے ہیں یہاں تعلیم عام ہے۔ اور تعلیمی کام میں ہر امیر و کبیر نہایت سرگرم رہا ہے۔ سلطنت کی طرف سے قومی تعلیم میں بہت زیادہ خرچ نہیں ہے۔ مگر سارا ملک چندہ کر کے اسکول کھولتا ہے۔ کالج کی آئے دن نبیاد ڈالتا ہے اور ہر طور پر وظائف سے، انعامات سے، تعلیم کی طرف طلبا کو مائل کرتا ہے۔ یونیورسٹی کا قیام زیادہ تر لوگوں کی امداد پر موقوف ہے۔

انگلینڈ کی بساط رقبے کے لحاظ سے کچھ زیادہ نہیں ہے مگر بری اور بحری طاقت خدا تعالیٰ نے

وہ عنایت فرمائی ہے جو دُنیا کی بڑی سے بڑی سلطنت سے بھی ٹکرانے کو تیار ہے اور ہمیشہ فتحمند رہی ہے لندن سارے ملک کا پایۂ تخت ہے جو بڑا شاندار شہر ہے۔ اور جو تجارت گاہ کا مرکز ساری دنیا کے لئے ہے۔ اس ملک کے شہروں کی بڑائی تجارت کے کاروبار پر ہے۔ جہاں زیادہ تجارت ہے وہاں بڑے سے بڑے شہر خود بنگئے۔ اور ابتک بنتے جاتے ہیں۔ سمندر کی راہ سے جہاز پر تجارت کے مال و اسباب بلا تکلف آتے جاتے ہیں۔ لیورپول اور برمنگہم شیفیلڈ بڑے بڑے تجارت کے مرکز ہیں۔ یہاں پر ہزارہا کارخانے ہیں مال تیار ہوتے ہیں اور جہازوں میں لادکر ساری دُنیا میں بکری کے لئے پھیلا دیے جاتے ہیں۔ لاکھوں اور کروڑوں لوگ محض تجارت پر جیتے ہیں۔ اس آزادی کے ملک میں وقعت نوکری یا منصب شاہی پر زیادہ نہیں ہے، بلکہ تجارت کے کاروبار پر سارے کا انحصار ہے۔ تجارت یہاں کی ہنرمندی پر مبنی ہے۔ حتیٰ کہ تجارتی مجالس ہیں جن میں شوریٰ اور صلاح پر کارروائی ہوتی ہے۔ بادشاہ خود اور پارلیمنٹ بھی اور نیز سارا ملک تجارت کے اور تعلیم عام کے حامی ہیں۔ ملک کی ہرانچہ زمین کارآمد ہے۔ کوئی حصہ زمین کا بیکار نہیں ہے۔ ملک میں ہزاروں کانیں ہیں اور اُنمیں احتیاط کے ساتھ ہزاروں مزدور کام کیا کرتے ہیں۔ بعض حصے ملک کے اس قدر پُرفضا ہیں جہاں اہل یورپ اور تمام انگلستان کے باشندے سیر و تفریح کے لئے جاتے ہیں اور وقت گذارتے ہیں۔

کشتی بانی اور ملاحی کا ساری قوم کو ازبس شوق پیدا ہے کھیل تماشے کے بھی اکثر لوگ جانداده ہیں۔ حضرت بادشاہ سلامت کو سارا ملک محبت اور پیار سے دیکھتا ہے۔ اور بادشاہ بھی اتنے بڑے کاروبار میں اُمرا و تجربہ کار رعایا سے برابر صلاح لیکر حکم دیتے ہیں۔

پارلیمنٹ کے دو محکمے ہیں ایک تو مجالس امرا دوسری مجالس عام رعایا۔ ان دونوں کے سپرد سارے ملک اور ساری سلطنت کے کاروبار ہیں۔ ان ہی پر سارے کام کا مدار ہے۔ مجالس اُمرا میں خاندانی اُمرا چند شرائط کے ساتھ حصہ لیتے ہیں اور مجالس عام رعایا میں ممبر ووٹ سے مقرر ہوتے ہیں۔ یہ رعایا کی مجلس نہایت زوردار ہے اور دراصل ساری سلطنت پر ان ہی کی حکومت ہے۔ ان جلسوں میں دو فریق عام طور پر ہوتے ہیں۔ خوب بحث کرکے اور نہایت متانت کے ساتھ گفتگو کرکے کسی امر میں قطعی راے دیتے

ہیں۔ فریق مخالف اعتراض کرتے رہتے ہیں تعلیم کے متعلق انگلستان کو خاص شرف حاصل ہے۔ یہاں کی یونیورسٹی ہیں سے دو زیادہ مشہور ہیں۔ یونیورسٹی اکسفورڈ و کیمبرج جن کو صدہا سال سے عروج ہے اور جہاں ہندوستان تمام یورپ اور امریکہ، بلکہ جاپان کے طلبا تعلیم پانے آتے ہیں۔ یہاں پر خصوصیت رہائش کی ہے۔ جہاں طالب العلم ساتھ رہیں اور آپس میں میل جول پیدا کریں۔ اور پروفیسروں کی زیر نگرانی کئی سال تک قیام کریں۔ اس طریقۂ تعلیم نے نہایت زور پکڑ رکھا ہے۔ خود سر سید احمد خاں صاحب نے علی گڑھ کالج کی بنا انھیں اصولوں پر رکھی ہے۔ علما کا ایک مجمع یہاں برابر رہتا ہے اور ان سے طلبا فیضیاب ہوتے رہتے ہیں۔

انگلستان کی بحری طاقت سارے یورپ کی طاقت سے زیادہ ہے۔ اور افریقہ و امریکہ و ہندوستان و آسٹریلیا کے قرب و جوار کے سمندروں میں انکے پھریرے لہراتے اور اُڑتے رہتے ہیں۔ انگلستان کے آہنی جہاز اس قدر مضبوط اور نئے طرز کے بنے ہوئے ہیں کہ جو سارے دوسرے بحری بیڑوں پر بلا تامل حکومت کر لیتے ہیں۔ اس سلطنت نے برابر اس امر پر زیادہ تر توجہ و خیال رکھا ہے۔ کیونکہ بحری طاقت جزیرہ کے لئے ضروری ہے اور کیونکہ سارا ملک سمندر سے گھرا ہے۔ اور ساری آزادی، تجارت، اور تجارت میں کامیابی کا انحصار اسی طاقت پر منحصر ہے۔

قوم کی حالت نہایت خوش ہے۔ امرا کی تعداد تجارت کے بدولت زیادتی پر ہے۔ سارا ملک بفضلہ تعالیٰ عروج ترقی پر ہے اور ان کی ترقی سے ہمارے ملک کی اور در اصل ہماری ترقی مدِ نظر ہے۔ لوگ اپنے زور بازو پر مستغنی ہیں۔ زمین خود نہایت زرخیز ہے۔ اور نظارے بعض مقامات پر نہایت فرحت بخش ہیں۔ ایجادوں کے سلسلے جاری ہیں۔ قوم کی قوم علما کی پرورش کرتی ہے جو محض ایجادوں کے کرنے یا علم کو ترقی دینے پر مامور ہیں۔ یہ حالات "مشتے نمونہ از خروارے" سے زیادہ نہیں ہے۔ حالانکہ ہر امر میں بڑی بڑی تفصیل درکار ہے اگر صراحت کے ساتھ بیان کی جاوے۔

کاشتکاری و باغبانی

دنیا کے تمام فنون میں سب سے زیادہ مفید کاشتکاری ہے اور سب سے دلچسپ باغبانی ہے اگر تمام فنون میں ترقی ہوتی رہے، مگر کاشتکاری کو چھوڑ بیٹھیں تو ملک کی تباہی ہے۔ حالانکہ کاشتکاری کرنے سے ملک میں فارغ البالی اور انسان و حیوان کو پیٹ کی طرف سے اطمینان پیدا ہوتا ہے۔ باغبانی اعلیٰ سے اعلیٰ لوگ کر چکے ہیں اور اب بھی باغبانی کی جانب اُمرا کی توجہ کم نہیں ہے۔ کاشتکار کی صورت دیکھنے کو عجیب ہے، مگر یہ دعویٰ اُس کا غلط نہیں ہے کہ اُس کی محنت سے سارے کارخانے چلتے ہیں۔ انسان تو انسان حیوان بھی جیتے ہیں۔ کاشتکاری ہمیشہ سے معزز ذریعۂ معاش رہی ہے، مگر اب دنیا کے خیالات کے تغیر و تبدل سے اور ہمارے لغو تخیلات سے اس ضروری فن کی یہ حالت آن پہنچی ہے کہ اس میں ترقی نہایت کم ہے تعلیم یافتہ گروہ کا رجحان اس جانب نہایت کم ہے۔ جس کا ضروری نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ملک کی پیداوار میں کمی جو آئی سو آئی۔ دفتروں میں اُمیدواروں کی فہرست بڑھتی جاتی ہے۔ مگر ملک کے نہایت ضروری کام میں حصہ لینے کا خیال کہ جس سے اصلی رفاہِ عام ہے نہایت کم ہوتا جاتا ہے۔ کاشتکاری کرنا عار جانی گئی ہے۔ مگر اُمیدواری کرنا اور در بدر درخواست لیکر جانا اور ناکام ہونے میں ذرا بھی ذلت نہیں ہے۔ کاشتکاری کرنے کو چند ضروری سامان درکار ہیں۔ اول تو زمین۔ دوسرے بیل۔ تیسرے کھاد۔ چوتھے ہل وغیرہ اور پانچویں بیج وغیرہ۔ انکا فراہم کرنا چنداں دشوار نہیں ہے۔ یہ فن حال کا ایجاد کردہ نہیں ہے۔ بلکہ حضرت آدمؑ کے وقت سے مروج ہے۔ اس کی بقا سے انسان کی بقا متصور ہے۔

کھاد جو ایک بیکار چیز نظر آتی ہے اُس کا کیمیائی اثر زمین پر ایسا پڑتا ہے کہ زمین پھر سے جاندار بنجاتی ہے۔ اُس میں کھاد دینے سے نمو پیدا کرنے کا مادّہ پیدا ہوجاتا ہے۔ اور زمین باوجود ہزاروں برس کے استعمال کے پھر سے زوردار اور طاقتور بنی رہتی ہے۔ کاشتکاری کی دلچسپیاں بھی خاص ہیں۔ مثلاً جون میں جب آسمان اور زمین تپتا ہے۔ گرمی سے انسان اور جانور بے جان بنجاتا ہے۔ جب زمین نہایت سخت اور بدنما نظر آتی ہے۔ یکبارگی ابرِ رحمت آتا ہے اور بارش ہوتی ہے۔ مُردہ زمین میں پھر سے جان

آجاتی ہی۔ درخت اور شجر سب ہرے ہرے ہوتے ہیں اور ندی نالے سب بہ نکلکر زمین کو سیراب کرتے ہیں۔ خشک زمین پر دفعتاً ہری گھاس نکل آتی ہی۔ صبح کچھ اور شام تک کچھ سے کچھ ہو جاتا ہی۔ ہر طرف سبزہ لہلہاتا ہی۔ ہر طرف زندگی کے آثار دفعتاً نمودار ہو جاتے ہیں۔ فوراً کاشتکاری شروع کر دی جاتی ہی، اور اُمیدیں بندھنے لگتی ہیں۔ کھیت درست ہوتے ہیں، بیج پڑتے ہیں، نگرانی شروع کر دی جاتی ہی۔ اور زمین سے پیداوار دن دونی اور رات چوگنی ترقی سے نکلتے ہیں۔ محنت کے بعد کسان خوش خوش اُمیدیں باندھتا ہی۔ بال بچّے کی پرورش، زمیندار کی مالگذاری کی ادائگی، مہاجن سے گلو خلاصی، اور لڑکے لڑکی کی بیاہ شادی کے خیالات، اُمنگ کے ساتھ اُس کے دل میں آتے ہیں اور وہ خوش ہوتا ہی۔ باغبانی بھی اس سے کم دلچسپ نہیں ہی۔ اگر تم نے محض باغبان نوکر رکھ لئے ہیں اور اُنکی اُجرت دیدی ہی اور باغ سے چنداں سروکار نہیں ہی تو اس میں البتہ زیادہ دلچسپی نہیں ہی۔ مگر اصول باغبانی کو جاننا اور اُن پر عمل کرنا اور خود باغبانی میں حصّہ لینا۔ خوب زمین کو درست کرانا، اور خود پودے نصب کرانا اُنکی پرداخت پر نگاہ رکھنا۔ یہ البتہ ایسی دلچسپی ہی کہ جس سے انسان بہتیرے رنج کو بھول سکتا ہی اور بیکاری کی تکلیف سے محفوظ رہ سکتا ہی۔ محض اسیقدر دیکھنا ساری تکالیف کا کافی معاوضہ ہی کہ پودے کل کیا تھے اور آج اُنکا کیا حال ہی۔ اُنکو اب کیا ضرورت ہی۔ اُن پر بہتیرے انتظار کے بعد پھل لگنا۔ اُنکا پھولنا کسقدر دلکش معلوم ہوتا ہی۔ اور اُنکے پھل اور پھول میں خاص مزے آنے لگتے ہیں۔ اُن کے پھل اور پھول اگر خود مالک کے ہاتھوں ٹوٹیں تو خاص لطافت رکھتے ہیں۔ باغبان پھر بھی غیر ہی۔ اُس کو اپنی اُجرت سے زیادہ تر سروکار رہتا ہی اور اصل مالک عموماً اپنے مال سے خاص محبّت رکھتا ہی۔ تمہارے پاس اگر بڑا باغ ہی تو اُس میں کیا کچھ نہیں بنایا جا سکتا ہی۔ بڑے بڑے خوشنما درخت، صف آراستہ پھلدار درخت۔ پھولدار درخت۔ خوشنما پتیوں والے درخت، چھوٹے چھوٹے پودے، ہری گھاس کے چھوٹے چھوٹے قطعے، پانی کی مصنوعی جھیل، اُس میں کے پودے جن کے پتّے اور پھول پانی پر تیرتے رہتے ہوں۔ اس چھوٹے باغ میں ترکاری اور سبزی اور پھل پھول کیا کچھ نہیں پیدا کئے جا سکتے ہیں۔ آرام کرنے کی جگہ دوستوں کی دعوت دینے کا مقام یا اور بھی قسم قسم کی دلچسپی کے ذریعے بہ آسانی بنائے جا سکتے ہیں۔

اگر وافر زمین تم کو میسر نہیں ہو تو بھی باغبانی قلیل پیمانہ پر کرنا کافی دلچسپ ہو۔ ایک کیاری ہی سہی، ایک پودا یا درخت سہی، اگر ممکن ہو تو وہ بھی دلچسپی کے لئے کافی ہو۔ محض درخت کا نصب کرنا بڑی بات نہیں ہو۔ بلکہ اُن کی پرداخت دلچسپ ہو۔ درخت میں بھی نمو اور زندگی کے آثار موجود ہوتے ہیں۔ اُنمیں بھی عارضہ پیدا ہوتے ہیں۔ لنگڑے، لولے، پست قد، اور کریہ منظر بھی اُنمیں ہوتے ہیں۔ یہ عوارض دور ہو سکتے ہیں۔ ان عوارض کے نہ پیدا ہونیکے چند در چند طریقے ہیں۔ اُن پر عمل کرنا چاہئے باغبانی محض دلچسپی کے لئے نہیں ہوتی ہو۔ اس میں بھی متعدد فائدے انسان پیدا کر سکتا ہو۔ پھول پیدا کرنے والے اور فروخت کرنے والے ہزاروں روپیہ ماہواری پیدا کر سکتے ہیں۔ ترکاری اور سبزی سے منفعت کچھ کم نہیں ہو سکتی ہو۔ پھل مثل آم۔ نارنگی۔ امرود۔ سنترہ۔ انناس۔ خربوزہ۔ تربوز سیب وغیرہ وغیرہ کس قدر نفع کے ذرایع ہیں اور سارے ملک میں انکی کسقدر مانگ بڑھتی جاتی ہو باغبانی ہو خواہ کاشتکاری خود کرنے سے مزہ دیتی ہو۔ محض مزدوروں کے بھروسہ پر کرنے سے منفعت تو درکنار نقصان کا زیادہ اندیشہ رہتا ہو۔ شاہزادیاں باغبانی کر چکی ہیں اور اب بھی اُمرا کی بیٹیاں اسکے کرنے کو عار نہیں جانتی ہیں۔ پھول سے کس کو رغبت نہیں ہو۔ پھول لگانا بھی بھلا کام ہو اور پھول کا توڑنا بھی خوش کُن فعل ہو۔ پھول سونگنا ہمیشہ سے نفاست پسند مزاج کے لئے مناسب اور موزوں رہا ہو۔

سرسیّد احمد خاں اور علی گڈھ کالج

سرسید احمد خاں ۱۷ ر اکتوبر ۱۸۱۷ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ خاندانی سید تھے۔ ان کے والد ماجد میر متقی دربار شاہی میں اعزاز کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ سرسید کی والدہ کا اثر بہت کچھ ان پر تھا۔ اور جیسا کہ بڑے بڑے ناموروں کی ماں ان ناموروں کی تعلیم و تربیت اور عروج کی باعث ہوئی ہیں سرسید نے بھی اپنی ماں کی شفقت مادری سے کچھ کم نفع نہیں اُٹھایا ہو۔ تواریخ میں نپولین کی ماں کا تذکرہ ہو جس نے اس نامور فرانسیسی کو تاریخ کے صفحات میں اس قدر قابل قدر بنایا ہو۔ سرسید

کی ماں نے نہایت احتیاط سے ان کو تعلیم و تربیت دی تھی۔ انمیں اچھی عادتیں ڈالی تھیں۔ مولانا حالی کا بیان ہے کہ سرسید کی والدہ جیسی کہ سمجھدار اور دانشمند تھیں اُس سے زیادہ نیک دل اور پاک سرشت تھیں۔ چنانچہ صدہا واقعات اُن کی نیک دلی کے بیان کئے جاتے ہیں۔

سرسید خلقی طور پر نہایت تندرست اور قوی الجثۃ اور توانا تھے۔ ہاتھ پاؤں نہایت مضبوط تھے، تیرنا اور تیر چلانا، گھوڑے کی سواری یہ سب اُنھوں نے بچپن میں بخوبی سیکھ لیا تھا۔ سرسید نے قرآن مجید سب سے پہلے بسم اللہ ہوجانے کے بعد اپنے گھر کی استانی سے پڑھا تھا۔ پھر ریاضی، منطق اور فقہ اور درسیات بغور تمام پڑھ ڈالے تھے اُنکے والد کے انتقال پر اُنکی تنخواہ شاہ دہلی کے یہاں سے مقرر ہوگئی، مگر اُنھوں نے انگریزی عملداری کا قانون مال پڑھ ڈالا اور بہت جلد عہدۂ صدر امینی پر مقرر ہوگئے۔

دسمبر ۱۸۴۱ء میں منصف مین پوری میں مقرر ہوئے۔ اس سے پیشتر بھی تصانیف کی ابتدا کر چکے تھے۔ مذہبی کتابیں بھی لکھنا شروع کر دیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات لکھ ڈالے تھے۔ اُنکو دربار شاہی سے خطاب "جوادالدولہ سید احمد خاں عارف جنگ" مل چکا تھا۔ خاص دہلی میں تبدیل ہونے پر اُنھوں نے نہایت بیش قیمت کتاب "آثار الصنادید" لکھی جس سے در اصل سارے ملک پر احسان کیا تھا۔ لوگ وہاں کی عمارتوں کو بھولتے جاتے تھے۔ اُن عمارتوں کے تاریخی حالات اُس وقت تک علم سینہ کی طرح چلے آتے تھے۔ اس کتاب کی وجہ سے اب گویا حالات مدون و محفوظ ہوگئے ہیں۔

۱۸۶۴ء میں وہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن کے آنریری ممبر مقرر ہوئے۔

۱۸۵۷ء کی غدر کے وقت وہ بجنور میں تھے۔ غدر سے ذرا نہ ڈرے۔ جبتک ممکن تھا بلاخوف سرکاری کام انجام دیتے رہے۔ اور انگریزوں کی حفاظت میں جان لڑادی۔ ایک وقت میں ضلع کا انتظام بھی ان کے سپرد کیا گیا تھا۔ نہایت مردانگی اور جرأت سے انگریزوں کے طرفدار تھے۔ اور باغیوں سے ناراض۔ میرٹھ جب پہنچے ہیں تو چند پیسوں کے سوا کپڑا تک بدن پر درست حالت میں نہ تھا سارا مال و اسباب لٹ گیا تھا اور بارہا جان کے خطروں میں پڑنے کی نوبت آچکی تھی۔ سرکار بہادر نے

انکی نہایت قدر کی اور ایک قیمتی خلعت اور دو سو روپیہ ماہوار پولٹیکل پنشن و نسلوں تک مقرر کی۔ غدر کے بعد مراد آباد میں صدر الصدور مقرر ہو کے آئے اور یہاں انہوں نے ایک فارسی مدرسہ قایم کیا۔

سرسید ہمیشہ سے نہایت آزادی سے رائے ہر امر میں دیتے تھے۔ چنانچہ تعلیمی معاملات میں رائے ان سے طلب کی گئی تھی۔ اس میں بھی وہ آزادانہ خیال ظاہر کئے بغیر نہ رہے۔ غدر کے بعد کی تجربوں میں انہوں نے ثابت کر دیا کہ ملک کا سچا ہمدرد اور سرکار برطانیہ کا حقیقی نمک خوار کیسا ہو سکتا ہے۔ پھر غازی پور میں سب ججی پر تبدیل ہو کر آئے تو عبرانی پڑھنی شروع کی۔ ایک یہودی نوکر رکھا اور عبرانی کے مشہور عالم مولوی عنایت رسول صاحب چریا کوٹی سے اعانت لی، اور انگریزی داں بھی نوکر رکھے کہ ضروری مذہبی کتابوں کو چھاپیں۔ یہاں آنکر ایک پریس خرید لیا تھا۔ یہی وہ زمانہ تھا جبکہ سرسید کو یقین ہو گیا کہ جبتک مسلمان تعلیم میں آگے نہ بڑھینگے۔ اس وقت تک انکی ترقی و بھلائی نا ممکن ہے۔ ۱۸۶۲ء میں انہوں نے ایک تحریر مشتہر کی "التماس بخدمت ساکنانِ ہندوستان درباب تعلیم اہل ہند" جس کا نام رکھا تھا۔ اور اسی سال "سائنٹفک سوسائٹی" غازی پور میں انہوں نے قایم کی تمام قواعد بنا ڈالے اور اس وقت کے وزیر ہند اس کے مربی ہوئے۔ اور گورنر صاحبان پنجاب اور ممالکِ مغربی و شمالی بھی اس کے سرپرست تھے۔ اور دور و دراز کے مسلمان اور ہندو صاحبان اسکے باضابطہ ممبر بنائے گئے اور غازی پور ہی میں کام ترجمہ کا باقاعدہ طور پر شروع ہوا تھا۔ سرسید خود آنریری سکرٹری رہے۔ اسی سال یعنی ۱۸۶۳ء میں انہوں نے وکٹوریا اسکول کو قایم کیا جو حال میں سرکاری ضلع اسکول قرار دیا گیا ہے۔ اگر وہ ۱۸۶۴ء میں علی گڈہ بتبدیل نہ ہو جاتے تو کیا عجب تھا کہ یہ اسکول کالج کے درجے پر پہنچ جاتا۔ اور اس گمنام شہر پر کیا کچھ اثر پڑتا۔ قیاس کیا جا سکتا ہے۔ اسی زمانہ میں سرسید کو تعلیم کی دھن تھی۔ مختلف طریقوں پر چند در چند ایسوسی ایشن قایم ہوئے اور سب کام کرتے رہے، اور سب کی جان خود سرسید احمد خاں تھے۔ ۱۸۶۷ء میں سید صاحب بنارس تبدیل ہو کر آئے اور جج خفیفہ مقرر ہوئے۔ بنارس ہی میں سید صاحب کو خیال گذرا کہ ہومیوپیتھک علاج سے زیادہ نفع بخش کوئی علاج نہیں ہے۔ چنانچہ ایک مطب اس کا بھی قایم کیا کہ جس کے مہاراجہ

صاحب بنارس پریذیڈنٹ اور خود سکرٹری ہوئے۔ رسالے لکھے، لکچر دیئے، رپورٹیں چھاپیں۔ اسکے بعد مجلس واضعانِ قانون کے ممبر ہوئے اور اُس میں بھی آزادانہ اور نہایت دلیری سے تقریریں کیں اور ہر جانب سے اُنکی قابلیت کا اعتراف ہونے لگا۔ سید محمود صاحب کو گورنمنٹ نے اسکالرشپ دیکر ولایت بھیجنا چاہا، اور خود سید صاحب نے بھی رخصت لی اور ساتھ گئے۔ تمام ملک کو بغور دیکھا بھالا۔ بڑے بڑے عہدہ دارو اور عالموں سے ملاقاتیں کیں۔ تعلیم کے صیغوں میں غور کیا اور وہاں کے تعلیمی طرز کو دیکھا اور تجسس و دریافت سے معلوم کیا۔ اس سفر کے اخراجات زیادہ تھے اور سید صاحب مالی دقتوں میں پڑ گئے تھے۔ مگر اپنے کتب خانہ کو بیچا گھر اور کوٹھی کو رہن رکھا۔ اور سفر کی تیاری کی۔ یکم اپریل ۱۸۶۹ء کو مع اپنے دونوں بیٹوں سید حامد صاحب اور سید محمود صاحب کے ولایت کو بنارس سے روانہ ہوئے تھے۔ سفرنامہ میں راستہ کے حالات لکھے لارڈ لارنس کی دوستی کی وجہ سے بڑے بڑے اُمرا و اکابر سے ملاقات کی سید صاحب نے ۱۷ ماہ لندن میں قیام فرمایا۔ وہاں کتابیں لکھتے رہے۔ یا انگریزی میں اپنی کتابوں کے ترجمے کرتے رہے۔ ۱۶ اگست ۱۸۶۹ء کو لندن ہی میں اُن کو سی ایس آئی کا خطاب ملا۔ لندن کے بیشتر علمی مجالس میں بھی شریک ہوئے سید صاحب نے ولایت کا سفر اختیار کر کے ایک نیک مثال لوگوں کے سامنے پیش کی۔ ۲ اکتوبر ۱۸۷۰ء کو بنارس واپس آگئے اور اپنا کام شروع کر دیا۔ ۱۸۷۰ء سے اُن کاموں کی ابتدا ہے جن سے تمام مسلمانان ہندوستان سید صاحب کے ہمیشہ زیر بار احسان رہینگے۔ "تہذیب الاخلاق" جاری کیا مختلف کتابیں لکھیں اور آخر کار علی گڑھ کالج کی بنا ڈالی۔ جو چند سال میں ماشاءاللہ اس قدر بارآور نظر آتا ہے۔ اور ابھی بہت کچھ فروغ پاویگا۔ ۱۸۷۶ء میں سید صاحب پنشن لیکر علی گڈھ ہو چکے۔

۲۴ مئی ۱۸۷۵ء کو ایک جلسہ میں جس کے صدر انجمن مولوی محمد کریم صاحب محمد آبادی خان بہادر ڈپٹی کلکٹر تھے محمڈن کالج کی رسم افتتاح عمل میں آئی۔ اُسی زمانہ میں تمام حکام ضلع علی گڈھ اس مدرسہ کے بدل و جان معاون ہوئے۔ سر جان اسٹریچی جو اُس وقت لفٹنٹ گورنر تھے اس کے بڑے مددگار تھے ۱۸۷۷ء کے شروع میں کالج کا بنیادی پتھر نہایت تزک و احتشام کے ساتھ رکھا گیا۔ اور لارڈ لٹن علیگڈھ خاص اسی کام کے لئے تشریف لائے۔ اور سر سید کے مہمان ہوئے۔ اُس زمانہ میں چندہ وصول کرنا اور

مدرسہ کو عملی شکل میں لانا آسان امر نہ تھا، مگر اس مرد خدا نے اسکے لئے بھیک تک مانگی۔ دوکان لگائی دوکان پر بیٹھے۔ والنیٹر بنکر جھولی گلے میں ڈالی، قومی تھیٹر بنایا، اور گانا گایا، اشعار پڑھے، اور ٹکٹ وصول کرکے چندہ میں شامل کیا۔ دوستوں سے عزت کے نام سے چندہ لیا، اور اپنے نوکروں تک سے چندہ وصول کیا۔ سرسید ایک طرف تو چندہ جمع کرتے تھے اور ساتھ ہی ساتھ کام بھی بڑھاتے جاتے تھے۔ عمارت کی تعمیر خود کراتے تھے۔ نقشہ خود پسند کرتے تھے اور رات دن اسی کے پیچھے پڑے رہتے تھے۔ کالج اور بورڈنگ کی عمارت کو عالی شان بنانے کا خیال انکو اس وجہ سے اور بھی تھا کہ کالج قومی مدرسہ ہے۔ اور طلبہ اور آیندہ نسلیں اس قومی ایوان کو عظیم الشان دیکھیں اور آیندہ اس کے قایم رکھنے کی کوشش سے غافل نہ ہوں۔ عمارت میں جو سلیقہ اور صفائی اور شان ہے اس سے انجنیروں کو بھی تعجب ہے کہ ایک شخص جو اصول انجنیری سے ناواقف تھا اس نے کیسے سارے کام کو انجام دیا۔ ۱۸۷۸ء میں سید صاحب وایسرائے کی کونسل میں ممبر مقرر ہوئے۔ اس میں بھی وہ بیکار یا محض آمین کہنے والے نہ تھے، بلکہ ضروری امور میں پورے زور اور دلائل کے ساتھ بحث کرتے رہے۔ سرسید صاحب کا خود بیان ہے کہ "جب میں اجلاس ختم ہونیکے بعد کونسل کے ہال سے اپنے کمرہ کی طرف چلا تو لارڈ لٹن بھی پیچھے پیچھے چلے آئے۔ اور مہربانی سے میرے کندھے پر ہاتھ رکھکر کہنے لگے کہ میں نے ایسی قابلانہ تقریر کبھی نہیں سنی تھی۔"

۱۸۸۶ء میں سید صاحب نے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کو قایم کیا جس سے ساری قوم میں اس قدر تعلیمی بیداری پیدا ہوئی ہے۔ کالج اس وقت ترقی کر چلا تھا اور حالت قابل اطمینان ہو چلی تھی، مگر سید صاحب کے خیال میں ایک کالج پر سارے تعلیمی مسئلہ کا حل ہونا ممکن نہیں تھا، بلکہ ان کو سارے ہندوستان کے مسلمانوں کو جگانا منظور تھا۔ اس غرض سے یہ کانفرنس قایم کی گئی۔

کانفرنس تمام ہندوستان کے گوشوں میں جا چکی تھی، اور یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ لوگوں کو جاکر جگا چکی ہے۔ سید صاحب کے بعد نواب محسن الملک مرحوم نے اور صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب نے بہت کچھ ترقی اس کانفرنس کو دی ہے۔ مدراس، بمبئی، کلکتہ، رنگون، لاہور، لکھنؤ، کراچی، ڈاکہ، وغیرہ وغیرہ اسقدر دور افتادہ مقامات میں جا چکی ہے اور اس کا جانا بیکار نہیں ہوا۔ لوگوں میں اس نے تعلیم کی تازہ روح

پھونکی ہی۔ بدگمانیاں دور کی ہیں۔ اُن کو جگایا ہی، اور علم کی جانب مائل کیا ہی۔

۱۸۸۸ء میں سید صاحب کو خطاب کے سی ایس آئی۔ کا عطا ہوا۔ اور ۱۸۸۹ء میں ایل ایل ڈی کی ڈگری اڈنبرا سے ملی۔

۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء کو سید صاحب نے علی گڑھ ہی میں انتقال کیا اور کالج کے اندر دفن ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ سید صاحب کی دیانتداری، راست بازی، اور فراخ حوصلگی کے سدا قصے ہیں۔ جوش آمیں نہایت درجہ پر تھا۔ اور اسلام کے جانبازوں تھے۔

سر سید ازل سے کام کرنے کے لئے بنائے گئے تھے۔ اُن کو نقصان یا خوف یا ہراس کبھی دامنگیر نہیں ہوتا تھا۔ جس کام میں پڑتے تھے اُس میں نہایت سرگرم رہتے تھے۔ جوش میں بھرے رہتے تھے اور تقریر و تحریر دونوں میں وہ آپ ہی اپنی مثال تھے۔ دراصل سادہ طرز تحریر و تقریر انہوں نے ایجاد کیا اور ملک میں پھیلا رکھا ہی۔ سید صاحب کو صاحب قلم کی نظر سے دیکھو تو اُن کے تصانیف کا ذخیرہ اُنکی زندگانی کو "حیات جاوید" دینے کو کافی و وافی ہی۔ مذہبی، پولیٹیکل، اخلاقی، سیر و سیاحت، تواریخی، حالات اس قدر انہوں نے لکھ ڈالے ہیں کہ جن کو دیکھکر انسان دماغ پر حیرت ہوتی ہی۔ اُن تمام تصانیف میں جدت خیال و جدت بیان ہی۔ قوت استدلالیہ نہایت قوی ہی اور اس درجہ موثر ہی کہ خواہ مخواہ انسان اُن کے دلائل کو پڑھتا جاتا ہی۔ اور قائل ہوتا جاتا ہی۔ پھر اُن کے کام کو ایک پالیٹیشن کی حیثیت سے دیکھو تو وہ بڑے سے بڑے مدبر کے ہم پلہ تھے۔ ملک کے خیر خواہ کی نظر سے دیکھو تو اُنکے کاموں کی فہرست طولانی ہی۔ اور جو کام اُن کے ہاتھوں سے ہوئے وہ کسی سے اس زمانہ میں آجتک نہیں ہوئے۔ پھر اُنکے طرز زندگی پر نظر ڈالو تو اُن کا اخلاق اس قدر وسیع اور عام تھا کہ کیا عیسائی، ہندو، اور مسلمان سب اُن پر اور اُن کے دوست ہونے پر فخر کرتے تھے۔ سید صاحب روکھے پھیکے بھی نہ تھے۔ نہایت ظریف اور نکتہ سنج تھے۔ دوستوں سے ہنسی اور مذاق کیا کرتے تھے۔ غرضکہ اس عظیم الشان مرد نے جو کام ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے کئے ہیں خواہ اُسکی قدر ہم آج کریں یا آج سے دس برس بعد لیکن اس کا نتیجہ یہ ہی کہ آج ہم سید کی راہ پر چل رہے ہیں۔ تعلیم سے فائدہ اٹھانے میں قدم آگے بڑھاتے جاتے ہیں اور انشاءاللہ جلد مسلم یونیورسٹی لے لینگے ۔

انسان کی متفقہ قوت

انسان خود سوچ سکتا ہی اور دوسروں سے مشورہ بھی لے سکتا ہی۔ اور بہت سے لوگ متفقہ قوت سے کام کر سکتے ہیں۔ اگر اپنے سمجھنے میں کوئی نقص رہ جاتا ہی مشورہ سے نقصان کا پہلو نہایت کم ہو جاتا ہی۔ متفقہ قوت ایک نہایت زبردست طاقت ہی جس کے آگے پہاڑ کی بھی وقعت نہیں رہتی ہی۔ اور جو مشکلات سدِ راہ ہوتی ہیں۔ وہ بآسانی دور ہو جاتی ہیں۔ الگ الگ قوت رکھنے میں نہ تو اتنا زور ہی ہی جتنا متفقہ قوت میں اور نہ اس قدر استقلال یا دیرپائی ہی ہی۔ متفقہ قوت صدیوں قائم رہ سکتی ہی۔ گو اس عرصہ میں بہتیرے شرکا مر بھی گئے ہوں یا انکی یاد تک فراموش ہو جاوے مگر یہ متفقہ قوت قایم رہ سکتی ہی۔ تجارت کو لو۔ ایک شخص تجارت کرنے بیٹھا۔ اگر تجارت میں بدقت تمام کامیابی ہوئی بھی تو اسکی اولاد قایم نہ رکھ سکی اور مورث کی بنی ہوئی دوکان آن واحد میں نیست و نابود ہو جاتی ہی۔ مگر کمپنی کی تجارت کو بغور دیکھو تو کیفیت ہی جدا ہی۔ کمپنی کے شرکا، خواہ مر جائیں خواہ الگ ہو جائیں مگر کمپنی اور اس کا شہرہ عرصہ دراز تک قایم رکھا جا سکتا ہی۔ کوئی کام جو چار آدمی کے مشورہ سے ہو اس میں تقویت رہتی ہی۔ اب جو کمپنی یا کلب کے نام سے جو کام ہوتے ہیں انہیں دیرپائی ہونے سے کام میں جان پڑ جاتی ہی۔ جبتک انسان باقی ہیں کمپنی کا کام چلا جا سکتا ہی۔ موجودہ رسم و رواج نے یورپ میں ہزاروں کلب اور کمپنی کی بنیاد ڈالی ہی۔ کمپنی زیادہ تر تجارت کے مقاصد کے لئے مستعمل ہوتے ہیں۔ حالانکہ کلب علمی مذاق کے، زمین کی پیداوار بڑھانے کے، ایجادات کرنے کے، سفرنامے مرتب کرنے کے، کسرت اور جسمانی ورزش کرنے کے کلب ہوتے ہیں۔ اور مثل ان کے صدہا مقاصد کے پورا کرنے کو چل رہے ہیں۔ ممکن تھا کہ ان تجارتی کمپنیوں اور ان کلبوں کی مساعی جمیلہ بالکل ضائع ہو جاتیں اگر ان کا دارمدار محض ایک یا چند اشخاص پر مخصوص ہوتا۔ مگر چونکہ کمپنی یا کلب خود غیر ذی روح اجسام ہیں اس لئے انہیں فنا نہیں ہی۔ اور اس سبب سے ہم دیکھتے ہیں کہ ۴۰ برس سے پیشتر جو کلب یا کمپنی سے فائدہ اٹھا چکے یا کوئی کام کر چکے ہیں۔ اب بھی انہیں اس کام کے آثار موجود ہیں اور اپنا کام

چلا رہے ہیں۔ کلب جو میل جول۔ ربط کے بڑھانے کے لئے ہوتے ہیں وہ بھی کچھ کم نفع رساں نہیں ہیں اور جو علم کے کسی شاخ کی ترقی کے لئے ہوں تو وہ قوم کے لئے ہمیشہ نہایت مفید اور کارآمد ثابت ہوئے ہیں۔ ہمیشہ علم پر اُن کا احسان رہا ہے۔ زمانہ موجودہ کی رفتار صاف بتاتی ہے کہ جب چلو تو ہمراہیوں کو ساتھ لے لو تا کہ گمراہ یا بدراہ نہ ہو۔ اور یورپ اور تمام مہذب دُنیا نے ہر امر میں متفقہ کوشش کی قدر کی ہے کھیل تماشے سے لیکر نہایت ضروری امور تک میں کلب ہیں۔ تجارت کی کمپنیاں ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اُنکی قوم آج زندہ قوم کہلاتی ہے۔ علم میں آگے۔ تجارت میں آگے۔ اخلاق میں آگے۔ علم کے پھیلانے کو علمی جلسے قایم کریں اور ربط اور ملاقات کے لئے اور نیز ورزش جسمانی کے لئے کلب بنا دیں۔

عورتوں کے اور مردوں کے الگ الگ کلب بنانا کچھ بھی دقت طلب نہیں ہے۔ ہندوستان کے حالات کے لحاظ سے مرد عورتوں میں الگ رکھنا ضروری ہے۔ اور علیحدگی زیادہ پسندیدہ خاطر بھی ہے۔ اور وہ دن دور نہیں ہے جب ہندوستان میں بھی مردوں کے لئے مردانہ کلب اچھے پیمانہ پر اور عورتیں زنانہ کلب نفیس پیمانہ پر ہر بڑے شہر میں بنا دیں۔ انسان کی طبیعت میں میل جول ہے اور جبتک کہ اچھی صحبت نصیب نہو۔ انسانی طبیعت مردہ پڑ جاتی ہے۔ یا طبیعت پر آثار پژمردگی کے آنے لگتے ہیں۔

ایسے کلب یورپ میں بہتیرے ہیں کہ جن میں کہا جاتا ہے کہ بڑے بڑے عالم اور فاضل مرد اور عورت شریک تھے یا اُن کلبوں کی جان تھے۔ بڑے بڑے مدبر اُنکے ممبر تھے۔ خود بادشاہ اُنکے سرپرست یا معاون تھے۔

بڑے تجارتی کارخانے اپنی پچھلی سرگزشت اور ناموری پر فخر کرتے ہیں اور اُن کے تاریخی حالات بھی خاص ہوتے ہیں۔ موجودہ ممبر بھی اُن پر ناز کرتے ہیں اور اُس ناموری کے قیام کی فکر میں رہتے ہیں۔ اُنسے لین دین کرنے والے بھی ناموری اور شہرہ پر جاتے ہیں۔ اور اُنکی خاص قدر کرتے ہیں بجنسہ یہی حال اُن کلب کا بھی ہے جن کے ممتاز معاونین اور ممبروں کے نام ابتک عرصہ دراز کے بعد بھی زبان زد ہوتے ہیں۔ موجودہ ممبر بھی اُن ناموروں کے قدم بقدم چلنا چاہتے ہیں اور لوگ جوق کے جوق اُس کلب کی شرکت کی طرف لپکتے ہیں تا کہ ایسے کلب کی شرکت سے بہرہ مند

وہ بھی ہو لیں۔ غرضنکہ فرد واحد کی قوت اور متفقہ قوت میں آسمان اور زمین کا فرق ہے۔

ریل گاڑی

زمانہ نے کیا کیا پلٹے کھائے ہیں اور ابھی کیا جانے کیا کیا پلٹے انسان کے مقدر میں لکھے ہیں۔ کس کو خیال تھا کہ ایک گھنٹہ میں پچاس میل سے زائد رفتار کی سواری ایجاد ہو گی جو سیکڑوں بلکہ ہزاروں آدمیوں کو ساتھ کے ساتھ لیکر اُڑا اسے لئے جاوے گی۔ ممکن ہے کہ غبارے ایجاد ہوں اور ان کی رفتار اس سے زیادہ ہو، مگر پھر بھی یہ اطمینان شاید ہی نصیب ہو گا۔ جو آجکل ریل کے سفر میں ممکن ہے۔ ریل اس لوہے کی پٹری کو دراصل کہتے ہیں کہ جس پر ساری ٹرین (گاڑیاں) چلتی ہیں۔ ان پٹری کے باعث گاڑیاں دھنستی نہیں ہیں اور بآسانی و تیز چلتی ہیں۔ زمین بھی دھنستی رہنے سے محفوظ رہتی ہے۔ اصل چیز جو سارے کارخانہ کو چلاتی ہے۔ وہ انجن ہے کہ جو سب سے آگے جوڑا رہتا ہے۔ اس انجن میں آگ اور پانی سے وہ طاقت پیدا ہو جاتی ہے کہ اس قدر بوجھ کو اس قدر سرعت کے ساتھ اُڑائے پھرتی ہے۔ پانی کے جوش دینے سے ابخرے پیدا ہوتے ہیں جو محفوظ طریقے سے بند رکھے جاتے ہیں اور انہی کے زور سے پہیاں چلتی ہیں۔ ابخرے کے زور سے انجن چلتا ہے اور ساتھ کی جُٹی گاڑیاں بھی چل نکلتی ہیں۔ اس انجن میں رفتار کے تیز و کم کرنے یا روک دینے کے سارے پرزے موجود رہتے ہیں۔ کوئلہ اور پانی کا اس میں بڑا خرچ ہے اور انجن کے چلانے میں بھی بڑی احتیاط درکار ہے۔ تار برقی بغیر ریل گاڑیاں اس اطمینان کے ساتھ ہرگز نہ چل سکتی تھیں اور اگر چلائی جاتیں تو روزمرہ اتفاقات بدپیش آتے رہتے اب تار کے ذریعہ سے دریافت کر لیتے ہیں کہ دوسرے ریلوے اسٹیشن تک سڑک صاف ہے یعنی کہ وہاں کوئی ریل گاڑی تو نہیں آتی ہے۔ اس دریافت کے بعد ٹرین کو اطمینان کے ساتھ دوسرے اسٹیشن تک لیجاتے ہیں اور اسیطرح پر اگلے اسٹیشن سے اسکے متعلق دریافت کرتے رہتے ہیں۔ اب بھی جو ریل گاڑی لڑجانے کے اتفاقات سننے میں آتے ہیں وہ انہیں دریافت کی غلطیوں کے نتیجے ہیں۔ بعض اوقات دونوں سرے سے آمنے سامنے گاڑیاں غفلت کے باعث چھوڑ دیتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ راستہ

میں دونوں ٹکرا جاتی ہیں۔ انجن اور گاڑیاں مسمار ہو جاتی ہیں۔ اور صدہا جانیں بھی تلف ہوتی ہیں۔ انجن کا چلانے والا ڈرائیور کہلاتا ہے۔ اور اُسکے پاس ہر اسٹیشن پر "لائن کلیر" ملتا ہے جس کے اطمینان پر وہ گاڑی لیجاتا ہے۔ ریل گاڑی کے آخر میں ایک ڈبہ ہوتا ہے جس میں گارڈ یعنی محافظ رہتا ہے۔ اسکے متعلق مسافروں اور اُن کے اسباب کی حفاظت سپرد رہتی ہے۔ اور اسکی اجازت سے گاڑیاں چلتی ہیں یا رک جاتی ہیں۔ اسٹیشنوں میں مسافر خانے بنا دیے گئے ہیں تاکہ مسافر آرام کریں۔ گاڑیاں روز بروز آرام دہ اور نفیس بنائی جاتی ہیں۔ بجلی کے پنکھے اور بجلی کی روشنی رہتی ہے۔ اور گدیاں بھی آرام دہ بڑی لائنوں پر ہوتی جاتی ہیں۔ ریل کے چلنے سے جو آرام اور آسائش اب میسر ہے وہ پہلے خواب میں بھی نظر نہ آتا رہا ہوگا۔ پہلے ذریعہ سفر کے گھوڑے یا اونٹ تھے یا ہندوستان میں پالکی اور رتھ یا بہلی۔ مگر زمانہ نے ترقی کی گاڑیاں نکلیں۔ اب ریل ہر جگہ دوڑ گئی ہے یا دوڑتی جاتی ہے۔ ہندوستان کے نقشہ کو دیکھو۔ تو ریل اس طرح تمام چھائی ہوئی ہے کہ گویا ایک زبردست مکڑی کے اس قدر پیچ در پیچ جالے ہیں۔ اب جہاں ریل نہیں گذری ہے وہ مقامات نہایت بدنصیب سمجھے جاتے ہیں۔ ریل گاڑی پر سفر کرو تو عجیب نظارہ پیش نظر ہوتا ہے۔ گرمی میں لو اور دھوپ اور گرد کی کمی نہیں رہتی ہے۔ اور جاڑہ میں خنکی اور سردی کے لطف سے مسافروں کا پتلا حال رہتا ہے۔ مگر موسم خوشگوار میں ریل کا سفر دراصل مزہ دار ہوتا ہے۔ ریل میں زیادہ کشمکش بھی تکلیف دہ ہوتی ہے۔ پھر ریل کی رفتار کے ساتھ ساتھ زمین کے تیز گذرنے کے لطف دیکھو گے یعنی جنگل کا سماں، دریا پر سے گذرنا، ندی، نالے، پہاڑیاں، اُن پر چڑھنا، اور اُترنا، اور گھوم کر ریل کا جانا، یہ سب نہایت خوشگوار نظارے پیش آتے ہیں۔ وہ مقام جہاں کئی ریلیں آنکر ملتی ہیں اُن کو جنکشن کہتے ہیں۔ یہ مقامات زیادہ رونق دار اور گلزار رہتے ہیں۔ مسافر ایک گاڑی سے اوتر کر دوسری میں چڑھتے ہیں اور بہتیرے مسافر اپنی گاڑی کے انتظار میں گھنٹوں ٹہل ٹہل کر وقت گذارتے ہیں۔ عجیب عجیب نظارے یہاں چلتے پھرتے نظر تلے گذرتے ہیں۔ ریل گاڑی کے اقسام کر دیے گئے ہیں۔ ایک تو ڈاک گاڑی، دوسرے مسافر گاڑی، تیسرے مال گاڑی اور چوتھے اسپیشل گاڑی۔ آخرالذکر تو خاص موقعوں پر اور خاص ضرورت سے چھوٹتی ہیں۔ اُنکی آمد و رفت

روزمرہ نہیں ہے۔

ڈاک گاڑی میں "ڈاک" جاتی ہے اور چند مسافر گاڑیاں بھی ہوتی ہیں۔ اسکی رفتار نہایت تیز ہوتی ہے۔ اور محض بڑے اور ضروری مقامات پر قیام کرتی ہوئی نکل جاتی ہے۔ مسافر گاڑی ہر اسٹیشن پر قیام کرتی ہوئی جاتی ہے۔ ہر قسم کے مسافر لیجاتی ہے۔ اور رفتار بھی چنداں تیز نہیں ہوتی ہے۔ مال گاڑی محض مال کے لیجانے کے لئے مخصوص ہے۔ اوّل درجہ سب سے اعلیٰ درجہ گراں قیمت ہونے کے باعث سمجھا جاتا ہے۔ اور متوسط الحال مسافروں کے لئے دوسرا اور ڈیوڑھا درجہ ہوتا ہے۔ تیسرا درجہ آخری درجہ ہے اور عام مسافروں کے لئے ہے۔ چلتی ریل میں کھانے کے نہایت آراستہ کمرہ ٹرین کے ساتھ لگا دیے جاتے ہیں جہاں گرم گرم کھانا کھاؤ برف پیو۔ دوستوں کی دعوت دو۔ اب بعض ریل نے سونے کے لئے کمرہ علیحدہ بنانے شروع کر دیے ہیں۔ ریل کے سفر میں اسباب جس قدر کم ہو اُسی قدر آرام ملتا ہے اور اگر دوستوں کا مجمع ہمراہ ہو تو راستہ نہایت لطف سے کٹتا ہے۔ ویسے ہی غیروں اور ناجنسوں کی صحبت بے لطف ہو جاتی ہے۔ مثل ہے کہ "مرد را صحبت ناجنس عذابیست الیم"

جہاز کا سفر

سمندر پر چلنے پھرنے کا رستہ اگر بند ہوتا تو انسان ایک بڑی قید میں گرفتار ہوتا۔ اُس کی نقل و حرکت مشکل ہوتی۔ آنا جانا بند رہتا۔ تجارت۔ سفر اور سیاحت، سب میں نہایت دقت پیدا ہوتی۔ مگر انسان نے کشتی کے ذریعے سے سمندر کو اپنے قابو میں کر رکھا ہے۔ کشتی پر لوگ آتے جاتے ہیں اور نہایت وزنی مال و اسباب اِدھر سے اُدھر لئے پھرتے ہیں۔ کشتی بنانے کے اصول میں تبدیلی صدیوں کی ترقی کے بعد ہوئی ہے۔ مگر پھر بھی اصول وہی ہے۔ مگر حال کے اسٹیمر اور جہاز زیادہ کار آمد اور طاقتور اور تیز رفتار بنائے گئے ہیں۔ پہلے بادبانی جہاز چلتے تھے۔ جن کو ہوا اُڑائے لیجاتی تھی۔ مگر ہوا پر قابو رکھنا آسان امر نہیں تھا۔ مگر اب آگ اور پانی نے یہاں بھی انسان کی مدد کی۔ انجن جہازوں میں مستعمل ہوتے ہیں۔ انجن کے زور سے ہزاروں من مال و اسباب جلد تر آتا اور جاتا ہے۔ خشکی کے سفر میں نہ تو اتنے خطرات ہی ہیں اور نہ اتنے اتفاقات

پیش آتے رہتے ہیں جس قدر کہ سمندر کے سفر میں ممکن ہیں۔

جہاز پر سفر بھی اب با طمینان تمام کر سکتے ہو۔ اور وقت مقررہ پر سفر طے پا جاتا ہی۔ مگر پھر بھی دیر سویر ہوتی ہی رہتی ہی۔ سمندر کا سفر انسان کی صحت کے لئے اکثر مفید ہوتا ہی اور خاص عوارض میں تو تجربے کی شروع سفر میں متلی ہوتی ہی، مگر ذری سی احتیاط سے رفع ہو جاتی ہی۔ سمندر کے نظارے عجیب دلکش ہوتے ہیں مگر بعض وقت ایک ہی سماں دیکھتے دیکھتے انسان گھبرا جاتا ہی۔ خطرات کے وقت مسافروں کی جان پر آن بنتی ہی۔ سمندر کی تہ میں سطح زمین پر موتی۔ مونگے اور سمندر سوکھ (اسپنج) ملتے ہیں۔ ان کے نکالنے کو ملاح ڈوبتے ہیں۔ اور کھرچ کے نکال لاتے ہیں۔ ملاح کے بدن پر اس کام کے کرتے وقت خاص لباس ہوتا ہی۔ اور تازی ہوا ایک جھولے میں پیٹھ پر باندھے رہتے ہیں۔ بسا اوقات اُن کو بڑے بڑے مہیب جانوروں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہی۔

جہاز کی قسمیں متعدد ہیں۔ سواری کے جہاز ہلکے اور تیز رفتار ہوتے ہیں۔ مال و اسباب کے ذرا بوجھل اور زیادہ طاقت ور اور کم رفتار ہوتے ہیں۔ لڑائی کے جہاز کی دوسری ہی قسمیں ہیں۔ انہیں توپیں چڑھی رہتی ہیں اور اصول جنگ سے واقف ملاح اور سپاہی ان پر رہتے ہیں۔ انکے حملوں سے قلعے کے قلعے مسمار ہو جاتے ہیں۔ یا دوسرے جنگی جہازوں کو لڑ کر پسپا کر کے فتحیاب ہوتے ہیں۔ انہی جنگی جہازوں سے بحری قوت سلطنتوں کی رہتی ہی۔ اور قومیں انہی کے بل پر بحر و سمندر پر حکومت کرتی ہیں۔ سواری کے جہازوں پر سارا سامان ضروری مثلاً کھانے پینے۔ نہانے کے سامان۔ کپڑے دھونے کے سامان شفاخانے۔ کھیل تماشے۔ سب فراہم رہتے ہیں۔ ہر جہاز پر کپتان ہوتا ہی۔ جو اُس جہاز کا محافظ ہی۔ سمندر میں مختلف نشانات سے کام لیتے ہیں۔ مثلاً دو جہاز ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ تم کس سلطنت سے تعلق رکھتے ہو۔ ایک جہاز دوسرے کو امداد کے لئے طلب کرتا ہی۔ سمندر کے سفر میں مسافروں کو خاص شگفتگی حاصل ہوتی ہی اور جہاز پر عموماً بآسانی لوگوں میں میل جول پیدا ہو جاتا ہی۔ میل جول سے معلومات میں اضافہ ہوتا جاتا ہی۔ بعض جہاز کنارے کنارے ساحلوں پر رُکتے جاتے ہیں۔ بسا اوقات مسافر گھومنے جاتے ہیں۔ اور پھر روانگی کے وقت آکر سوار ہو لیتے ہیں۔

سمندر کی لہریں بعض وقت اس قدر مہیب ہو جاتی ہیں کہ سارا جہاز اُس پر مثل ایک تیتے کے تلے اوپر ہوا کرتا ہے۔ موجوں پر کبھی چڑھتا ہے اور کبھی نہایت زور سے گرتا ہے۔ ایسے وقت میں البتہ مسافروں کے دل ہاتھوں اُچھلتے ہیں اور سارے مزے کر کرے ہو جاتے ہیں۔ ایسے وقت میں البتہ موت کا نظارہ سامنے کھڑا ہو جاتا ہے۔

قوم کی ترقی اور سلطنت کی مضبوطی آجکل بحری قوت پر ہے۔ مسلمان اپنے زمانۂ عروج میں اس صیغہ میں کسی سے پیچھے نہ تھے۔ بلکہ صدیوں تک انہوں نے رہنمائی اس بارہ میں کی ہے۔ آجکل جو سلطنتیں یورپ، امریکہ، اور ایشیا کی ممتاز ہیں اُنکی خاص توجہ بحری قوت پر ہے۔ چنانچہ بحری تقویت میں ہماری سلطنت برطانیہ سب سے آگے ہے۔ فرانس۔ اٹلی۔ امریکہ اور جاپان بڑی بڑی بحری طاقتیں رکھتی ہیں اس طاقت کی وجہ سے راستے اور تجارت گاہیں اُنکے لئے کھلی رہتی ہیں۔ سمندر کے کنارہ رہنے والی قومیں اُن سے خوف زدہ رہتی ہیں۔ سمندر کی لڑائی خشکی کی لڑائی سے کسی طرح پر آسان نہیں ہے۔ اس میں بھی داؤ پیچ بہت ہوتے ہیں۔ یہ بجائے خود نہایت وسیع علم ہوتا جاتا ہے۔

مسافروں کے لئے جو جہاز ہیں۔ اُنمیں خاص اہتمام آسائش کے مہیا ہوتے ہیں۔ درجے بھی مختلف ہوتے ہیں۔ سامان آسائش بھی درجہ بدرجہ جُدا ہوتے ہیں۔ بندرگاہیں جہاں جہاز آتے جاتے ٹھیرتے ہیں، بڑے تجارتی مقامات ہو جاتے ہیں۔ جہازوں کی آمدورفت سے تجارت میں فروغ ہوتا ہے اور لوگوں کا کاروبار خوب چل نکلتا ہے۔

انگریزی سلطنت

انگریزی سلطنت قاعدہ اور قانون پر چلتی ہے۔ قاعدے اور قانون بنتے ہیں اور ساری سلطنت اُس پر چلتی ہے۔ قاعدہ کی پابندی کرنا قانون نے لازم کر دیا ہے۔ قانون گویا کہ سلطنت کا تحریری حکم ہے کہ فلاں کام کرو یا نہ کرو۔ سلطنت کی حفاظت کیلئے تاکہ غنیم حملہ نہ کرے، ایک بہت بڑی فوج ہر وقت تیار رہتی ہے۔ اور کچھ حصہ فوج اس طرح پر مرتب ہے کہ وقت ضرورت کے تیار ہو سکتا ہے۔ ملک کے اندر کے

انتظام قایم رکھنے کو متعدد دفاتر اور عہدہ دار ہیں۔ جان و مال کی حفاظت پولس کی سپردگی میں ہی۔ انگریزی سلطنت دوراندیشی سے کام لیتی ہی اور حتی الامکان رعیت پروری کا خیال رکھتی ہی۔ جب قحط کے آثار نمودار ہوتے ہیں تو اُن کے دُور کرنیکو یا ضروری امداد کے واسطے فوراً فکر شروع کر دی جاتی ہی۔

پلیگ کے شروع ہونے سے آجتک کیا کچھ کوشش نہیں کی گئی کہ اس کا دفعیہ اور کامل علاج دریافت ہو سکے۔ چنانچہ تجربہ کرتے کرتے ٹیکہ کو مفید ثابت پایا ہی۔ اور چوہوں کا دفعیہ ضروری اس بلا سے بچنے کو ثابت ہوا ہی۔

امن و امان کے قایم رکھنے کا قانون نہایت سختی کے ساتھ کام کرتا رہتا ہی۔ لوگوں کو ضرر سے بچانے کی فکریں ہوتی رہتی ہیں۔ نفع کے ذرائع بتائے جاتے ہیں اور علم کی روشنی اس قدر ہندوستان پر پھیلی ہی کہ لوگوں کی آنکھیں کھل گئی ہیں۔ رعایا اور زمیندار اور تُجار ہندوستان کی زمین سے فائدے اُٹھاتے ہیں۔ رعایا کاشتکاری کرتی ہی۔ اور زمین کی پیداوار سے منفعت اُٹھاتی ہی۔ کاشتکاری کے لئے نہریں کروڑوں روپیہ خرچ کر کے تیار کی جاتی ہیں۔ زمیندار کا فرقہ سرکار اور رعایا کے درمیان میں ہی۔ یہ رعایا سے مالگذاری وصول کرتے ہیں اور سرکار کو وہ حصہ مقررہ جو سرکاری ہوتا ہی ادا کرتے ہیں۔ بعض زمینداریاں تو سلاطین مغلیہ سے چلی آتی ہیں۔ جنکو سرکار انگریزی نے منظور کر لیا ہی۔ اور زیادہ تر حصہ زمینداری کا انگریزی سلطنت کے بعد سے ابتک نسلاً بعد نسلٍ چلا آتا ہی۔ اور کسو بہ بھی ہوتی ہیں۔ جن کو غریب زمینداروں کو قرضہ دیکر یا مقدمات کے داؤ پیچ میں ڈالکر ساہوکار حاصل کرتے جاتے ہیں۔ ہر سال ہزاروں پُرانے گھرانے اپنی بے اعتدالیوں کے باعث یا رفتار زمانہ سے تباہ حال ہوتے جاتے ہیں اور زمینداریاں کھوتے جاتے ہیں۔ سرکار انگریزی زمینداروں کو پشت و پناہ اپنی سلطنت کا بناتی ہی۔ اُنکی عزت کرتی ہی اور اُن سے مشورہ لیتی ہی۔ اور اگر زمیندار خوش معاملہ اور جفاکش ہی تو سرکار اُس کی کماحقہ قدر کرتی ہی۔ رعایا پر بھی توجہ کرتے رہنے سے اُنکی حالت درست رہ سکتی ہی۔ اور وہ اپنے علاقوں کو درست بنا سکتا ہی۔ اور نئی معلومات کی بنا پر زمین کی پیداوار میں ترقی پیدا کر سکتا ہی۔ قانون یہ ہے کہ رعایا زمیندار کو وقت مقررہ پر لگان دیوے اور بقایا کے واسطے زمیندار نالش کر سکتا ہی۔ زمیندار

بھی وقت مقررہ پر سرکاری مالگذاری داخل خزانہ کرتا ہی۔ اگر مالگذاری وقت پر نہ داخل ہو تو زمیندار اور زمینداری مواخذہ میں آجاتے ہیں۔ رعیت یعنی کاشتکاروں کی چند قسمیں ہیں۔ ہر صوبہ میں جُدا جُدا اُنکی نوعیت مقرر ہی "قانون لگان" اسی مقصد کے لئے بنا دیا گیا ہی۔

سرکار افیوں کی تجارت اپنے ہاتھ میں رکھتی ہی۔ اس کے دو بڑے بڑے کارخانے ہندوستان میں ہیں ایک پٹنہ میں تھا اور دوسرا غازی پور میں اب ہی۔

عدالت کا اب حال سُنو۔ مقدمہ جب دائر کرو تو اُس پر کورٹ فیس لگتا ہی۔ افسر اُس پر حکم دیتے ہیں اور مقدمہ فیصل ہوتا ہی۔ ان تمام آمدنی سے سرکاری کام چلتا ہی۔ فوج کی تنخواہ اور افسروں کی تنخواہ اور سارے سلطنت کے خرچ چلتے ہیں۔ تعلیم میں کیا کم خرچ سلطنت کو اُٹھانا پڑتا ہی اور ابھی اور ضرورت اس مد میں خرچ کی ہی۔ صدہا محکمے ہیں اور سب کے لئے قاعدہ اور قانون بنتے ہیں سب کے کام علٰحدہ علٰحدہ بٹے ہوئے ہیں اور سارے کام افسروں کی ماتحتی میں انجام پاتے رہتے ہیں۔ سارے ملک میں ڈاک خانے اور تار جاری ہیں ان سے آمدنی بھی ہی۔ اور ان میں خرچ بھی ہوتا ہی۔ سرکاری مالگذاری جو زمینداروں سے وصول کی جاتی ہی۔ اسکی دو قسمیں ہیں۔ یا تو استمراری بندوبست ہی یا ہر بیس برس یا کہیں تیس برس پر تشخیص ہوا کرتی ہی۔ صوبہ بنگال میں اور صوبہ ممالک متحدہ آگرہ و اودھ یعنی غازی پور۔ مرزا پور اور بنارس میں مالگذاری استمراری بندوبست سے قایم ہی۔ بقیہ تمام ہندوستان میں سرکاری مالگذاری ہر بیسویں یا تیسویں برس تجویز ہوتی اور منظور ہوتی رہتی ہی۔ کاغذات دیہی کا الگ ایک دفتر مرتب رہتا ہی۔ ریل کی کمپنیاں ہیں جو زمانہ مقررہ کے بعد سرکاری ہو جاتی ہیں۔ اُس مدت کے بعد چاہے سرکار اپنے انتظام میں لے لیتی ہی یا پھر کمپنی کو چند شرطوں پر ٹھیکہ دیدیتی ہی۔ انگریزی سلطنت نے ڈاکوؤں اور ٹھگوں در اصل ہر قسم کے انسانی دشمنوں کی جڑ و بُنیاد اُکھیڑ پھینکی ہی۔ ستی کی بُری رسم ہندوستان سے معدوم کر دی ہی۔ اس خراب رسم کی بدولت کتنی ہندو عورتیں قبل اس انسداد کے اپنے مردہ شوہروں پر جل کر قربان ہو جاتی تھیں۔

سرکار نے ہندوؤں کے لئے قانون شاستر اور مسلمانوں کے لئے شرع محمدی جاری کر رکھا ہی۔

ان مذہبی قانون کی پابندی مذہبی امور مثلاً شادی بیاہ وراثت وغیرہ میں کی جاتی ہے۔ ورنہ مُجرم کے لئے ملک کے اندر جرم کرنے پر فوجداری کا قانون سب کے لئے ایک ہے۔ سرکاری عدالتوں کے احکام واجب التعظیم قانوناً بنا دیے گئے ہیں۔ مگر ساتھ ہی اس کے عدالتوں کے احکام کی پوری پوری نگرانی ہوتی رہتی ہے۔

قدرت کے تماشے

قدرت کے تماشے اس قدر وسیع ہیں کہ گنتی اور شمار میں آنے مشکل ہیں اور اُن کی تہ کو پہنچنا تو اور بھی دشوار ہے۔ مگر پھر بھی چند نہایت دلچسپ واقعات بیان کئے جاتے ہیں۔ آسمان جو دنیا کی چھت ہے۔ اُس میں کسقدر بے شمار نگینے جڑے ہوئے ہیں جو راتوں میں جگمگایا کرتے ہیں۔ اتنی قندیلیں اور جھاڑ و فانوس دنیا کی آرائش کے لئے بنائے گئے ہیں۔ اصلی مقصد اُن کے وجود کا ابتک معلوم نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ اُن میں بھی مثل ہماری دنیا کے آبادیاں ہوں۔ ممکن ہے کہ وہاں بھی مرد اور عورت آباد ہوں۔ اور وہاں بھی لوگوں میں گشت و خون کا ذائقہ ہو۔ ممکن ہے کہ وہاں بھی لوٹ مار اور غارتگری کا رواج ہو۔ ممکن ہے کہ وہاں بھی سلطنت کی بنیادیں ہوں۔ ایک سلطنت دوسری سلطنت پر چڑھائی کرتی رہتی ہو۔ اور کبھی شکست اور کبھی فتح کے مزے چکھتے ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد روحیں وہاں جاکر آباد ہوتی ہوں۔ مثل ان کے ہزاروں عقلی تُکے انسان لگاتا چلا جاسکتا ہے۔ مگر پھر بھی انسان کی عقل اور رسائی اس قدر محدود ہے کہ کوئی واقعی کیفیت اُن ہزاروں لاکھوں ستاروں اور سیاروں کی نہیں بتا سکتا ہے۔ دوربین بھی وہاں کے صحیح صحیح حالات بتانے میں ابتک معذور ہو جاتی ہیں۔ ان ستاروں اور سیاروں کی گردش بھی کچھ کم تعجب خیز نہیں ہے۔ عجیب و غریب ان کے دورے ہوتے رہتے ہیں۔ مگر سب اپنے اپنے مقررہ راستے پر چلے جاتے ہیں۔ عام لوگ ستاروں کو اُن کی روشنی کے باعث پہچان سکتے ہیں۔ ایک ہی ستارہ کبھی اس کونہ پر اور کبھی اُس کونہ پر نظر آتا ہے۔ اور ہماری دنیا کی گردش کے باعث اور اُن کی ذاتی

رفتار سے کہیں سے کہیں پہونچ جایا کرتا ہے۔ دُمدار ستارے بعض سال یا سال میں چند بار دکھائی دیتے ہیں اُنکی دیدار محض عارضی ہوتی ہے۔ اِدھر سے اُدھر جاتے ہوئے اس جہان کو دکھائی دیتے ہیں۔ ان ستاروں کی گردش سے علم نجوم نکلا ہے۔ جس کا دعویٰ ہے کہ زمانہ آیندہ کے حالات حساب کی رو سے بتا سکتے ہیں۔ جہازرانی میں ستارے سے بڑی مدد ملتی ہے۔ ستاروں کے علم میں گو اتبک زیادہ ترقی نہیں ہوئی ہے مگر پھر بھی انسان نے اپنی کوشش سے اس کو بہت کچھ بنا کھڑا کیا ہے۔

قدرت الٰہی کے تماشے پانی اور مٹی میں کیا کم ظاہر ہوتے ہیں۔ مٹی سے تمام نباتات نکلتے ہیں اور پانی پڑنے سے ہزاروں قسم کے کیڑے مکوڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اُن کی صورتیں عجیب ہوتی ہیں اور اُن کی زندگی کی میعاد محض چند گھنٹے یا چند دن ہوا کرتی ہے۔ مچھڑ یا پتنگے پانی اور گندگی کے مقام میں جلد پیدا ہوتے ہیں۔ اور اُن کی نشو و نما بھی نہایت سرعت کے ساتھ ہوتی ہے اور اُنکی زندگی بھی جلد ختم ہو جاتی ہے۔ اس لئے لازم ہے کہ مکان کے گرد کوڑے کے انبار نہ رہنے دیا کرو۔ بعض اُنمیں سے کیڑے نہایت زہریلے ہوتے ہیں۔ جگنو کو دیکھو اُس کی دُم میں گویا آگ کا چھوٹا سا شعلہ نکلتا ہے۔ اور روشن ہوتا نظر آتا ہے۔ افریقہ کے جنگلوں میں بڑے قد و قامت کے کیڑے اس قسم کے اُڑتے پھرتے ہیں جن کے شعلے زیادہ روشن اور مقدار میں بھی بڑے نظر پڑتے ہیں۔ ستاروں میں انسان کا قیاس ہے کہ بعض میں اتبک حرارت باقی ہے۔ بعض میں نہایت عالی لیٹان شعلے اُڑتے ہیں اور بعض میں حرارت باقی نہیں ہے۔ مثلاً چاند حرارت سے خالی ہے۔ اُس میں دوربین کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں پہاڑ اور گھاٹیاں اور آتش فشاں پہاڑوں کے نشان باقی ہیں مگر وہاں نہ تو شعلے ہیں نہ پانی نہ ہوا نہ درخت۔ بعض ستاروں میں قیاس ہے کہ انسان کے مثل لوگ بستے ہیں۔ اور تمدنی ترقی کا اُن کو بڑا شوق ہے ہزاروں نہریں نکال رکھی ہیں۔ مگر یہ سب پھر بھی قیاسات ہیں اور بہت ممکن ہے کہ ہمارے قیاسات بالکل غلط ہوں اس کرہ زمین کی گولائی کے متعدد ثبوت پیش کئے جاتے ہیں۔ اور اب یہ امر تحقیق کے درجہ تک پہونچگیا ہے کہ زمین در اصل گول ہے۔ چوکور نہیں ہے اور یہ کرہ زمین ہر لحظہ گردش میں رہتی ہے۔ چاند اور سورج اور

زمین ایک دوسرے سے وابستہ ہیں انھیں انقلاب اگر آجاوے تو زمین پر ضرور اثر پہونچتا ہی۔ دراصل سب کی خیریت اسی میں ہی کہ سب کے سب اپنی روش پر بموجب حکم ربانی کے چلے جاویں اور جب ایسا نہ کرینگے یا ہٹ جاوینگے تو سارے کا خاتمہ متصور ہی۔ اور اسلام نے اس کا نام روز قیامت رکھا ہی کہ جب آسمان اور زمین ریزہ ریزہ ہونگے اور اپنی اصلی حالت اور واقعی صورت پر نہونگے پہاڑ مثل روئی کے اوڑے اوڑے پھرینگے۔ وہ دن در اصل عجیب خوف کا دن ہوگا۔ مگر جبتک اپنی حالت پر چلے جاتے ہیں۔ اُس وقت تک سب ایک دوسرے سے زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں۔ سب پر ایک دوسرے کا اثر پڑتا رہتا ہی۔ اسیطرح پر سارے جہان کا کارخانہ چلا جاتا ہی جس قادر حقیقی نے اس عظیم الشان کارخانہ کو چلا رکھا ہی۔ اُس کے ادنیٰ اشارے سے جب چاہے جب روک دیوے اور انسان مثل کیڑے مکوڑے کے پھڑا پھڑا کر مر جاوے۔ ساری دنیا نابود ہو جاوے۔ موسم کے اعتبار سے دن کا گھٹنا اور بڑھنا، دن میں آفتاب کی روشنی کا آنا، اور رات میں تاریکی ہو جانا، یا چاند کے ذریعہ سے روشنی آنا، یہ سب آفتاب اور اس دنیا کے تعلقات کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ دنیا مثل لٹو کے گول ہی اور آفتاب کے گرد چکر روزمرہ لگاتی رہتی ہی جب آفتاب کی روشنی دنیا کے ایک حصہ پر پڑتی ہی تو وہ حصہ دن ہو جاتا ہی۔ اور دوسرے جانب کے بقیہ حصہ میں رات یا تاریکی رہتی ہی۔ دنیا کا سرا ذرا سا آفتاب کی طرف جھکا رہتا ہی جب ایک سرا جھکتا ہی۔ تو وہاں دیر تک آفتاب کی روشنی رہتی ہی اس لئے دن لمبا معلوم ہوتا ہی اور چھوٹی رات ہوتی ہی۔ مثلاً موسم گرما میں۔ موسموں کا ردو بدل بھی ان ہی اسباب سے ہی۔ تمازت آفتاب جب سیدھی ہم پر پڑتی ہی اور آفتاب کی شعاعیں ہم پر تیز آتی ہیں تو گرمی ہوتی ہے اور جب کرنیں ترچھی پڑتی ہیں اور شعاعیں کمزور پڑتی ہیں تو موسم میں خنکی اور سردی آجاتی ہی۔ بارش کے اسباب بیان ہو چکے ہیں۔ کہ گرمی کی شدت سے سمندر سے بھاپ اُٹھتے ہیں اور وہ بھاپ تمام ملک میں پھیل جاتے ہیں وہی پانی بنکر زمین پر گرتے ہیں۔ وقت کی بارش ہونے سے ایک ایک قطرہ زمین کے حق میں سونا برستا ہی۔ اگر بھاپ یا ابخرے کم ہوں تو

بارش کم ہوتی ہے اور بارش کی کمی سے قحط اور خشک سالی ملک کو تباہ کر ڈالتی ہے۔

عجائب خانے اور نمائش کی سیر

انسانی ترقی کا مقتضیٰ ہے کہ ایسے سامان میسر آویں کہ عوام میں عام واقفیت حتی الامکان پھیلے۔ لوگ بطور تفریح کے ان چیزوں کو دیکھیں، سیر کی سیر ہو اور واقفیت کا ذخیرہ ساتھ لاویں۔ انھیں اغراض کے لئے یورپ کے تمام بڑے شہر اور ہندوستان میں چند شہروں میں عجائب خانے ہیں جہاں لوگ جاتے ہیں اور دنیا کے عجائب و غرائب کو دیکھتے ہیں۔ چڑیا خانے میں جاؤ تو طرح طرح کے جانور دیکھو گے۔ جانوروں کو پالنا زیادہ طوالت ہے اور خرچ بھی زیادہ ہے۔ مردہ جانوروں کی کھال درست کرکے جمع کرنے میں کسی قدر کم خرچ ہے۔ مگر پھر بھی زندہ جانوروں کے چڑیا خانے زیادہ دلچسپ ہوتے ہیں۔ اُن کے دیکھنے سے جانوروں کے عادات، اطوار، طریقہ ماند و بود اُن سے ظاہر ہوتے ہیں۔ زو میں چڑے چوپائے ہر قسم کے جمع دیکھو گے۔ طوطے کی قسم کو لو تو صدہا قسم کے طوطے ہوتے ہیں ایک دوسرے سے بولی میں، صورت میں، عادات میں جدا۔ سب کے پر و بال خط و خال جدا جدا ہوتے ہیں۔ کوئی گرم ملک میں رہنے کا عادی ہے اور کوئی سرد ملک کا۔ بندروں کی قسم لو تو صدہا قسم کے بندر دیکھو گے۔ ایک دوسرے سے صورت اور عادات میں الگ۔ اُن کا شور و غل اُن کے اطوار بالکل دوسروں سے الگ پاؤ گے۔ سانپوں کی قسم کو دیکھو تو ہزارہا قسم کی صورتیں اُن کی پاؤ گے۔ کوئی آدمی کو دیکھکر بھاگتا ہے اور کوئی مقابلہ کرنے کو پھن اُٹھا کر کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنی جگہ سے نہیں ہٹتا۔ ان کے زہر بھی مختلف درجوں کے ہوتے ہیں۔ شیر اور چیتے کی قسم کو لو تو متعدد صورتوں کے شیر ببر۔ چیتے۔ تیندوا وغیرہ دیکھو گے۔ اُنکی صورت جدا جدا۔ اور بعض بہادری کی تصویر انمیں ہیں اور بعض چوری سے حملہ کرنے کو تیار ہوتے ہیں اور بعض غضب کے خونخوار نظر آتے ہیں۔ ان سب جانوروں کے دیکھنے کے لئے اگر ایک جگہ یہ جمع نہ کر دیے جاتے تو مختلف ملکوں کی سیر درکار ہوتی۔ مگر چڑیا خانہ میں سب کے جمع کرنے سے لوگوں کو موقع ملتا ہے کہ کام کاج سے فارغ ہو کر اغرا

اور احباب کے ساتھ جاویں، سیر کریں اور واقفیت حاصل کریں۔ ان کے قایم کرنے میں سرکار بہادر کو بڑی رقم درکار ہوتی ہے۔ مگر چونکہ قوم کو واقف کرنے میں مدد ملتی ہے اُس کے مقابلہ میں یہ خرچ زیادہ گراں نہیں ہوتا ہے۔

عجائب خانے صنعت اور حرفت کے بھی ہوتے ہیں جہاں مختلف قوموں اور ملکوں کی صنعت کے نمونے پیش ہوتے ہیں۔ جن کو غور سے ملک کے کاریگر دیکھتے ہیں اور ضرورت کے لحاظ سے اُن خاص صنعتوں سے مستفید ہوتے ہیں۔ علم صنعت کی ترقی اس سے ہوتی رہتی ہے اور لوگوں کو دوسری قوموں کی دستکاری کے موازنہ کرنے کا موقع بھی حاصل رہتا ہے۔ عجائب خانے پُرانے اور تواریخی چیزوں کے جمع کرنیکے بھی ہوتے ہیں۔ انمیں تواریخی چیزیں جمع کی جاتی ہیں مثلاً پُرانے قرآن مجید جو پہلی صدی ہجری میں لکھے گئے اور جو مشاہیر کے زیر مطالعہ رہے ہیں۔ مثلاً قرآن مجید کے دوسری قسم کے نسخے۔ مشہور کتابوں کے نسخے اور جو تواریخی اعتبار سے خاص وقعت رکھتے ہیں۔ مشہور تلواریں پرانے سکے جو پرانے ہونے سے خاص وقعت رکھتے ہیں۔ سکوں کے جمع کرنے کا خاص علم ہے اور اس کے جمع کرنے والے بہت کچھ نفع اُٹھاتے ہیں۔ آلات حرب کے عجائب خانے بھی قوم کیلئے کچھ کم دلچسپ نہیں ہوتے ہیں مختلف وقتوں کی تلواریں۔ بندوقیں۔ توپیں۔ آلات جنگ کا مقابلہ موجودہ زمانہ کے ہتھیاروں سے کرنے سے لوگوں کو خاص لطف آتا ہے اور اس کے ماہر ان سے فائدے اُٹھاتے ہیں۔ تصویروں کے جمع کرنے سے بھی صدیوں کے حالات معلوم ہوتے ہیں مختلف قوموں کے مختلف وقتوں میں جو لباس رہے ہوں انسے بھی بہت کچھ لطف آتا ہے اور کارآمد باتیں نکلتی ہیں۔ اسیطرح چند در چند قسموں کے عجائب خانے ہوتے ہیں اور سب کے سب پُر لطف اور بکارآمد ہیں۔
نمایش کے قایم کرنے میں بڑا خرچ پڑتا ہے۔ مگر اس کے نفع قوم کی قوم کو پہونچتے ہیں۔

نمائش بڑے پیمانہ پر جو ہوتی ہے اُس میں تمام شایستہ قوموں کی شرکت ہوتی ہے۔ ہر ملک سے لوگ صنعت اور حرفت اور پیداوار کے نمونے بھیجتے ہیں۔ نمایش میں اُن کو خاص طور پر نہایت سلیقے سے سجاتے ہیں۔ اسی طرح پر تمام ملکوں سے کچھ نہ کچھ مدد ملتی ہے۔ علم نباتات کا صیغہ جُدا ہوتا ہے۔

صنعت کا جُدا۔ کاشتکاری کا جُدا۔ نادر اشیا کا جُدا۔ مثل اُن کے بہت سی شاخیں قایم ہوتی ہیں یا
دوسرے ملک کے حالات کا اور اُن کی ترقی کا موازنہ کما حقہ ہوتا ہے۔ اُن ملکوں کی دستکاریوں کی
اشاعت اور شہرت ہوتی ہے۔ اور قوم کو ترقی اور زیادہ کوشش کرتے رہنے کی خواہش بڑھتی ہے۔ نمائش کے
قیام میں سارا ملک مصلحت جانتا ہے۔ اُمرا اور تجار امداد کرتے ہیں اور بادشاہ سے لیکر رعایا تک اسکے
قایم کرنے میں کمال دلچسپی رکھتے ہیں۔ دامے درمے قدمے امداد کرتے ہیں۔ سب سے زیادہ نفع یہ ہوتا ہے
کہ جس شہر میں ایسی نمائش قایم ہوتی ہے اُس شہر کی قسمت جاگ اُٹھتی ہے۔ شہر مالا مال ہو جاتا ہے
دوسرے ملک کے لوگوں سے میل جول بڑہانے سے شہر والے ملک والے قوم کی قوم ترقی کرتے
ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہزاروں دلچسپیاں ہر طبقہ کے لوگوں کو ہوتی ہیں۔ صبح سے شام تک کی
سیر کیلئے سامان مہیا ہوتے ہیں۔ لوگ اس قسم کی نمایش سے جس قدر فایدے اُٹھا دیں وہ کم ہیں
محض زنانہ دستکاریوں کی مختصر نمائش کو لو تو ان سے کم فایدے نہیں ہوتے ہیں۔ گو کہ ابھی اسکی
آغاز ہے۔ اور لوگ فوائد سے ناآشنا ہیں مگر پھر بھی عمدہ عمدہ نمونے دیکھکر عورتوں میں جوش آتا ہے ترقی
کرتی ہیں اور ہر سال ترقی کے نمونے دکھاتی ہیں۔ اگر اس میں وسعت دیجاوے منتظمین کی کمیٹیاں
اچھے طور پر کام کریں اور عام طور پر لوگوں میں اسکی چاٹ پیدا ہو جاوے تو بہت کچھ اس سے نفع
متصور ہو سکتے ہیں۔ قاعدہ ہے کہ تمام کمالات انسان دیکھا دیکھی میں حاصل کرتا ہے۔ ایک کو ترقی کرتے
دیکھنے سے شوق پیدا ہوتا ہے۔ حاسد جلتے ہیں اور پیچھے پڑتے جاتے ہیں۔ مگر اُبھرنے والے اُبھرتے
جاتے ہیں۔ اسیطرح پر لوگوں میں جو ترقیاں ہیں اُن سے اپنی زندگی، اپنی ترقی یا تنزل کی جانچ کا موقع
ملتا ہے۔ انواع اقسام کی ترقی دوسروں سے سیکھتے ہیں اور اپنی ایجادات سے دوسروں کو مستفید
کرتے ہیں۔ جو قوم ان میں حصہ نہیں لیتی ہیں اُن کی ترقی بند ہو جاتی ہے۔ اُس میں جوش باقی
نہیں رہتا ہے۔ ولولے جاتے رہتے ہیں۔ ملک کی آنکھیں بند رہتی ہیں اور ترقی کا خیال بھی اُنھیں
سوتے سے نہیں جگاتا ہے۔ امریکہ اور یورپ نے نمائش وقتاً فوقتاً قایم کرکے اپنی اپنی قوموں کو
بیحد فایدے پہونچائے ہیں۔ جاپان بھی اُسی چال پر آجکل چلتا ہے۔ لائق فرمانروا سے میسور

نے بھی حال ہی میں ایک نمائش قایم کرکے اپنے ملک کو مختلف دستکاریوں اور کاشتکاری کے طریقوں سے واقف کیا ہے۔ نمائش میں تجارت بھی کچھ کم ترقی نہیں پاتی ہے۔ چیزیں بکتی ہیں۔ اور اچھی دوکانیں شہرت پکڑتی ہیں۔ لوگ ان سے برابر سودا لیا کرتے ہیں۔ تفریح کے سامان بھی ان سے حاصل ہوتے ہیں اور جہاں بڑے پیمانوں پر نمائش ہوتی ہے وہاں تھیٹر۔ سرکس وغیرہ سامان تفریح بھی کمانے کو پہونچ جاتے ہیں۔ نفع کے ساتھ ساتھ کھیل تماشہ کسقدر دلچسپ اور مفید ہوتا ہے۔ قوم کی قوم ان ذرائع سے بیدار ہوتی ہے۔ اور ملک میں ترقی کی رَو آجاتی ہے۔

بچّوں کے کھیل

آجکل دنیا کے رنگ ایسے بدلے ہیں کہ بچوں کے کھیل تماشے اُنکی دل لگیاں بھی ساتھ ساتھ بدل گیئں۔ نیا زمانہ ہے اور نئے کھیل تماشے ہیں۔

گڈّے اور گڑیوں کے کھیل پرانے ہوگئے اور وہ رسمیں بھی مذموم ہوگیئں جو ان کپڑے کی پُتلیوں کے بیاہ اور شادی کے رسوم میں برتی جاتی تھیں۔ روپیہ کا بیجا خرچ سمجھا گیا ہے اور لاحاصل اس قدر دردسری اور زیرباری تھی۔ بچے بھی چنداں خوش نہ ہوتے تھے۔ اب ایسے کھیل تماشے ایجاد ہیں کہ جو بچوں کو کھلاویں اور کھلا کر خوش کریں۔ کھیل کا کھیل اور سبق کا سبق ہو۔ مثلاً یورپ کے ممالک میں ایک طریقہ بچوں کی پرورش اور پرداخت کا نکالا ہے کہ جو اب تمام یورپ میں سرعت کے ساتھ پھیل گیا اور پھیل رہا ہے۔ اس طریقہ کا نام "کنڈرگارٹن طریقہ تعلیم" ہے۔ لڑکے صغر سنی سے باغوں میں رکھے جاتے ہیں اور اس فن سے ماہر عالم عورتوں کی نگرانی رہتی ہے۔ باغ میں طرح طرح کے کھیل تماشے کے سامان مہیا ہیں۔ باغ میں کثرت سے درخت سایہ دار اور پھل پھول ہوتے ہیں۔ اس طریقہ تعلیم کا اصل مدعا یہ ہوتا ہے کہ بچے خوب جسم پر ورزش کرنے سے زور ڈالیں، کودیں، اور دوڑیں اور خوش رہیں اور اس سامان تفریح کے ساتھ ہی ساتھ دنیا کے ادنیٰ معلومات کھیلتے ہنستے سیکھتے جاویں۔ چنانچہ ان مقاصد میں پوری پوری کامیابی بھی ہوئی ہے۔ گنتی گننا عام طور پر بچوں کو ۵ سال تک آسانی اور رٹانے سے

یاد رہتا ہے۔ اس طریقہ سے شروع ہی شروع میں ۵ سال کے اندر گنتی اور معمولی جوڑ آجاتی ہے۔ رنگ کا پہچاننا کہیں دس برس تک بچے کو عام طور پر آتا ہوگا مگر ان مختلف پھول اور پتّے اور طرح طرح کے کھیل سے دو چار دن میں رنگ میں فرق کرنا اور رنگ کا پہچاننا آجاتا ہے" ا ب ت"، جوڑ جانے سے آتا ہے۔ ان طریقوں سے بلا جبر و اکراہ کے چند دن میں خوب یاد ہو جاتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی معلومات جو جلد نہیں یاد رہتیں وہ ساعتوں میں ذہن نشین ہو جاتی ہیں۔ سب سے زیادہ دلچسپی بچوں کو اس میں ہے کہ اس قدر مجمع ہم سنوں کا رہتا ہے۔ جن کا ساتھ رہنا ہی اُن کی زندگی کی جان ہے۔ پھر نہ یہاں پر مار دھاڑ ہے نہ بلا سبب پابندی۔ ہر سبق کھیل میں ہے۔ ظاہر ہے کہ صحت جس قدر ایسی صورت میں درست ہوگی وہ دوسرے طریقہ سے ممکن نہیں ہے۔ مگر ساتھ ہی جس قدر ذخیرہ معلومات کا بچے ساتھ لیکر نکلتے ہیں اور نکل کر باضابطہ اسکول میں داخل ہوتے ہیں وہ مروجہ طریقہ سے برسوں میں آویں تو بھی جلد آئے۔ اُستاد کے سامنے مقید بیٹھنا اور گھنٹوں ایک حالت میں دوزانو بیٹھنا ہی کیا کم زحمت صغرسن بچوں کے لئے ہے۔ اُن کی روانی طبیعت میں کمی آتی ہے صحت اچھی نہیں رہتی اور جو پڑھتے ہیں بیشتر مار یا ڈانٹ کے ڈر سے پڑھتے ہیں اور سب سے زیادہ خرابی یہ ہوتی ہے کہ دلچسپی جاتی رہتی ہے۔ خود طبیعت پر زور دینا اور طبیعت کا لگانا کم ہوتے ہوتے جاتا رہتا ہے۔

یہ سچ ہے کہ ہمارے علما کے پرانے طریقے کچھ کم مفید نہیں رہے ہیں۔ بڑے بڑے عالم پیدا ہوئے ہیں جن کی تصانیف اب بھی مستند کتابیں ہیں اور جن پر ہم جہاں تک ناز کریں کم ہے۔ مگر یہ طریقہ اس امر کا سدِ راہ یا مانع نہیں ہے۔ یہ طریقہ نہایت صغرسن بچوں کے لئے ہے کہ جو کتابوں کے مطالعہ کے لئے ابھی موزوں نہیں ہیں۔ سات آٹھ سال کے اندر کوئی بچہ زیادہ محنت مطالعہ میں نہیں کرسکتا ہے۔ اور اگر اُس پر زور دیکر محنت کرائی جاوے تو صحت پر ضرور بُرا اثر ہوتا ہے۔ اس طریقہ نے ابھی پوری اشاعت ہندوستان میں نہیں پائی ہے۔ مگر لوگ کوشش بلیغ کر رہے ہیں کہ جلد اس طریقہ پر عمل درآمد کیا جاوے۔

بچوں کو قدرت کے کارخانہ کی طرف اس قدر آسانی کے ساتھ مخاطب کر لیا جا سکتا ہے کہ وہ

بوڑھے ہونے پر بھی نہیں ہوتے ہیں۔ بچپنے کے دلچسپ واقعات تمام عمر ساتھ دیتے ہیں۔ بچے مختلف درختوں کی پتیاں چن چن کے کتابوں میں سلیقہ کے ساتھ آراستہ کرتے ہیں اور انعام پاتے ہیں اور اس خزانہ کو لیکر گھر جاتے ہیں اور اپنی ماں اور باپ کو خوش خوش دکھاتے ہیں۔ یہ شوق نہایت عمدہ اثر پیدا کرتا ہے۔ سبق کو یہ بچے دلچسپ جان لیتے ہیں اور دنیا خود دلچسپ نظر آنے لگتی ہے۔

تصاویر اور کھلونے جو مفید ہوتے ہیں وہ بھی اس طریقۂ تعلیم میں شامل کر لئے گئے ہیں تصاویر سے تو گویا دنیا جہان کے معلومات کا شائبہ نظروں تلے آجاتا ہے۔ گھر بیٹھے بیٹھے مختلف صورتوں، مختلف واقعات سے شناسائی ہو جاتی ہے۔ اس طریقے کی اشاعت کے لئے ضرورت ہے کہ اردو زبان میں مفصل کتابیں ماہرین شائع اور تقسیم کریں۔ دراصل اس طریقہ کا جاری ہونا جس قدر جلد ممکن ہو بہتر ہے۔

ماں باپ اور اعزا بھی بہت کچھ بچوں پر اثر ڈالنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ بلکہ ماں کا اثر سب سے زیادہ دیرپا ہوتا ہے۔ اور اُن کی شفقت مادری کے باعث یا تو بچے اچھے بنتے ہیں یا بالکل خراب ہی ہوتے ہیں۔ زیادہ دُلار بیشک بچوں کو بگاڑتا ہے مگر بے توجہی بھی اچھی نہیں ہے ماں اگر خود ہی بچوں کو کھیل کے ساتھ ساتھ معلومات بتلاتی رہیں تو کیا کم نفع ممکن ہے۔ مگر یہاں یہ قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہندوستان میں عام طور پر ماں خود ہی کیا کچھ واقف رہتی ہیں جو بچوں کو بتاویں۔ مگر انشاء اللہ اب یہ شکایت جاتی رہیگی۔ بہرصورت بچوں کو کھیل سے بلا سبب روکنا نہایت بُرا ہے بشرطیکہ کھیل اُن کی صحت کے لئے مضر نہوں۔ مثلاً دھوپ میں دوڑنا یا کھیلنا کسی طرح پر جائز نہ رکھا جاوے۔ ماں کو طریقوں پر عمل کرنا چاہیئے کہ بچے کھیل کے کھیل کھیلیں اور دنیا کی ذری ذری معلومات بھی فراہم کرتے جاویں۔ یہ "ایک پنت دو کاج" ہوگا۔ اس سے صحت درست ہوتی ہے۔ بچے خوش ہوتے ہیں۔ طبیعت کی روانی زیادہ ابھرتی ہے، اور کھیل بیکار رائیگاں نہیں جاتا۔

عورتوں کے حقوق

عورتیں طرح طرح کی بدگمانیوں کا شکار ہمیشہ سے رہی ہیں کہیں پردہ غلام سے بدتر ٹھہرائیں اور کہیں مال و اسباب سے زیادہ وقعت اُن کی نہ کی گئی، کہیں زد و کوب کی مستحق سمجھی گئیں کہیں بے عقل متصور ہوئیں۔ گزشتہ دور کے قانون نے بھی کچھ کم اُن کی حق تلفی نہیں کی نہ تو جائداد کا انتظام کرنے میں اُن کی مداخلت مناسب جانی گئی اور نہ اُن کے اختیارات وسیع ٹھہرائے گئے۔ باپ نے جہاں چاہا اُنھیں بیچا روپیہ کھرا کرکے لڑکیوں کے بوجھ سے سبکدوش ہوئے۔ گزشتہ دور میں شوہر نے بھی کچھ زیادہ قدر ان کی نہ کی۔ انھیں ذلیل سمجھا۔ اور ذلیل حالت میں مرتے دم تک رکھا جتنی کہ اُن کی اولاد نے بھی چنداں اُن کی عزت نہ کی۔ غرضکہ دُنیا میں اُنھیں بے عزتی اور بے وقعتی کے علاوہ کچھ پھل نہ ملا تھا۔ اسلام نے عورتوں کے حقوق کی البستہ پاسداری کی، اُنکا رُتبہ بڑھایا، اُن کی حالت میں خاص ترقی دی۔ اسلام نے سب کچھ تو کیا مگر مسلمانوں نے ان پاک احکام کی چنداں پروا نہ کی اور اُن پاک احکامات کو پس پشت ڈالدیا۔ یورپ میں بھی اس کے قبل خود قانون انکے حقوق کے خلاف تھا۔ اب نوبت یہ ہے کہ یورپ ہم پر ہنستا ہے کہ اسلام نے عورتوں کے حقوق کو پامال کر ڈالا ہے اور اُن کی حق تلفیاں کی ہیں اور اُن کی آزادی اور اختیارات کو محدود کر رکھا ہے۔ عورتوں میں وہ دماغی قوتیں موجود ہیں جو مردوں میں ہیں یہ اب مسلّم امر ہو گیا ہے۔ عورتوں کی تعلیم مُردوں کی تعلیم سے کم ضروری نہیں مانی گئی ہیں۔ بعد تعلیم پا چکنے کے وہ اُن مشاغل اور فنون میں داخل ہو سکتی ہیں جہاں اس کے لئے دربند نظر پڑتے ہیں۔ یہ خیال کہ عورتیں صرف وہاں تک تعلیم پاویں جہاں تک کہ اُن میں خاوند کے خوش کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاوے یا محض خانہ داری کے لئے موزوں ہو جاویں۔ یہ محض خام خیالی ہے۔ تعلیم اگر دراصل تعلیم ہے کتنی ہی زیادہ دی جائے رائگاں نہیں جا سکتی ہے۔ عورتوں کے دماغ کو ضعیف فرض کر لینا قابل قدر امر نہیں ہے۔ اُن کو محض ایک خادم یا غلام بنانے میں بھی انصاف کا پہلو نہیں ہے۔ ایک سمجھدار

عورت تعلیم پاکر تعلیم کا بہترین استعمال کریگی۔ اور جہاں اُسے خادم یا غلام بنکر رہنا چاہئے وہاں ایسا کرنے میں وہ قاصر نہ رہیگی۔ لڑکی اگر پڑھ لکھکر اپنے خانہ داری کو نہ ٹھیک رکھے تو یقینی اُس پر تعلیم کا اثر نہیں پڑا ہی اور وہ در اصل تعلیم کو بدنام کرنے والی ہی۔ تعلیم انسان کے لئے ایک نہایت بیش قیمت اوزار ہی جس سے انسانی ضرورت دنیا اور دین کی پوری ہوتی ہیں۔ اگر اُس اوزار کا خراب استعمال کوئی نادانی سے کرے تو اوزار پر کیا الزام عاید ہوسکتا ہی۔ ایک تعلیم یافتہ عورت کا فرض ہونا چاہئے کہ وہ اپنے اعزا و اقربا میں مفید تر ثابت ہو۔ قابل تاسف وہ حالت ہوتی ہی جب ایک تعلیم یافتہ عورت کا ساتھ ایک ایسے جاہل سے ہو جو باوصف اپنے نالائقی کے عورت کے ہنر اور علم پر خاک ڈالے اُس کی قدر نہ کرسکے اور اپنے تمام غصے اور کینے اُس پر صرف کرے۔ اس کی خاص وجہ ندامت ہی۔ مندرجہ بالا صورت میں بھی عقلمند بیوی رفتہ رفتہ ان کندہ ناتراش کو بھی سڈول بنا سکیگی اور ان وحشیوں کو بھی رام کرنے میں کامیاب ہوسکے گی۔ عورتوں کے خیالات میں تنگی کی وجہ سے یہ نتیجہ ہوتا ہی کہ اُن کے تمام حوصلے پست ہوجاتے ہیں اور اُن کو کوئی مقصد زندگی نظر نہیں آتا ہی۔ خود غرضی اس قدر اُن پر چھا جاتی ہی کہ اپنی غرض کے علاوہ اُن کو کوئی پہلو نظر نہیں آتا ہی۔ اس تنگ خیالی کے باعث اُنمیں حسد اور کینہ اور بُری عادتیں پڑتی جاتی ہیں۔ اپنی بڑائی کا خیال اور دوسرے کی حقارت کا گمان زیادہ تقویت کے ساتھ پیدا ہوجاتا ہی۔ اسی باعث کوئی گھر ایسا مبارک ہوگا جہاں پر روزمرہ عورتوں میں تکرار یا لڑائی نہ ہوتی رہتی ہو یا بدمزگی نہ پیدا ہو۔ معلومات عامہ میں شوہر اُن کو اگر حصہ دیتے تو یقینی اُنکی رائے نہایت مستند ہوتی اور مردوں کو صائب رائے دیتیں مگر چونکہ خیالات میں وسعت نہیں ہوتی ہی اس لئے قطعاً معذور رہتی ہیں یا غلط صلاح پر اصرار کرتی ہیں۔ اُن کی موجودہ حالت میں جبکہ اُن میں اخلاقی اوصاف اس درجہ نہیں ہیں جس قدر ہونے چاہئے اگر مرد اُن کی مرضی پر چلتا ہی تو یا مثل اُن کے بیکار اور جاہل بنتا ہی اور اپنے کو دنیا میں ترقی کرنے اور دنیا کے ساتھ چلنے کے قابل نہیں پاتا ہی۔ یا ایک لڑائی اُن لوگوں سے ٹھان لیتا ہی جن سے اُن کی بیوی کو

ذری بھی ناخوشی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ تمام حالات اس وجہ سے ہیں کہ خود سوسائٹی کا قوام بگڑا ہوا ہے۔ اسی لئے عورتوں میں علم کے پھیلانے اور اخلاقی اوصاف پیدا کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ اولاد کی پرورش اور پرداخت کرنا، اور ساتھ ہی اس کے نہایت شعور کے ساتھ خانہ داری کا انتظام کرنا، کفایت شعاری، اور صفائی اور نفاست کا خیال رکھنا، ساتھ ہی ساتھ شوہر کے ہمراز اور ہمدم بننے کی صلاحیت پیدا کرنا، اُن کے کام میں دلچسپی رکھنا، اور رائے دینے کی لیاقت پیدا کرنا، اِن اوصاف سے متصف عورت نہایت مبارک عورت ہے۔

عورتوں کی دماغی قابلیت اور اُن کے ذاتی جوہر ہر ایک صیغہ میں ثابت ہو چکے ہیں سلطنت کی باگ اُنکے ہاتھ میں رہی ہے اور اُنھوں نے دنیا میں حکومت کا کرنا بتایا ہے۔ علم موسیقی میں اُن کے جوہر ظاہر ہوئے ہیں۔ علم مصوری میں اُنکے کمالات ظاہر ہوئے ہیں۔ شاعری اور نکتہ سنجی میں بیشمار مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ اسلام میں بڑی بڑی علامہ پیدا ہوئی ہیں جن کے خطبے لوگ جوق جوق سنتے تھے۔ اُن کے لکچر اتبک زیب داستان ہیں۔ عورتوں کے حقوق کی پامالی کا یہ بھی نتیجہ ہے کہ عورتیں کم عقل جان لی گئی ہیں اُن کو موقعے نہیں ملے ہیں کہ اپنے جوہر دکھائیں۔ اور جہاں اُن کو موقعے ملے وہاں اُنھوں نے اپنے جوہر دکھادیئے ہیں۔ اور مرد خواہ جاہل یا نالائق کیوں نہو اُس نے فیصل کرلیا ہے کہ وہ تمام عورت پر خواہ کتنی ہی عالم ہوں ممتاز اور سرفراز ہے۔

مرد اور عورت کی ترقی ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہے اگر مرد جاہل اور تنگ خیال عورت کے اثر میں ہے تو اُس کے جوہر رفتہ رفتہ گھٹتے جاوینگے۔ اس لئے عورت کو اس درجہ سمجھدار اور تعلیم یافتہ ہونا چاہیئے کہ مرد کی ترقی میں عورت کافی حصہ لیوے تاکہ مرد کو آگے بڑھنے کی ترغیب دے۔ اُسکے مقاصد میں امداد کرے۔ زمانہ کے ساتھ خود بھی ترقی کرتی رہے۔ اچھی عورت کا اثر مرد پر اور سارے گھر بار پر نہایت مبارک پڑتا ہے۔ مگر خراب مزاج کی عورت سے مرد کی تباہی اور گھر بار کی تباہی جلد تر ہوتی ہے۔ عورت کی تعلیم پر ان وجوہ سے جس قدر زیادہ کوشش کی جاوے اُسی قدر نفع کی اُمید ہے۔

عورت کے خاص جوہر

عورت سارے انسان کی ماں ہے۔ مرد صرف اپنی زندگی بسر کرتا ہے مگر عورت اپنی زندگی کے ساتھ ساتھ نسل کے بقا کے لیے جو سامان درکار ہے رکھتی ہے۔ مرد میں خود غرضی پائی جاتی ہے مگر عورت زیادہ تر ایثار نفسی کا ثبوت دیتی ہے۔ عورت کی زندگی نسل کے بقا میں ہے اور اُس کی زندگی تا ابد چلی جاتی ہے اگر ہمت اور جرات ہی کو لو تو مرد کی ہمت و جرٔت زیادہ تر نمایشی ہے۔ مگر عورت کی بہادری اور ہمت تحمل سے ہے اور نسل کے بقا کے لیے متصور ہے۔ عورت کی ہمت ضرب المثل ہے حالانکہ مرد اپنی ہمت کشت وخون میں صرف کرتا ہے۔ عورت کی ہمت بربادی، تحمل سنجیدگی میں قابل تعریف ہمیشہ سے رہی ہے۔ بڑی بڑی تکلیف نہایت اطمینان سے اُٹھاتی ہے۔ عورت کی کوشش میں بھی تحمل اور ہمت پائی جاتی ہے۔ کام کو جب اُٹھاتی ہے تو پورا کر چھوڑتی ہے قوت حسیہ بھی بدرجہ کامل عورت میں پائی جاتی ہے۔ محبت اور شفقت مرد کے لیے ہر چند کہ دلچسپ ہوں مگر عورت کی زندگی کا دار مدار انہیں پر ہے۔ بغیر محبت اور شفقت کے عورت اپنی زندگی کو بے سُود جانتی ہے۔ عورت کا دلربا حُسن اور ذاتی خوبیاں اُس کے لیے بڑے دلچسپ زیور ہوتے ہیں۔ جسقدر ان زیوروں کی قیمت زیادہ ہو اسی قدر مرد اُن کی جستجو میں رہتا ہے۔ حُسن کی حفاظت کرنے سے نسل کی ترقی متصور ہے اور ذاتی خوبیوں سے قوم کی قوم ممتاز رہتی ہے۔ لوگ اچھے بنتے جاتے ہیں اور خوبیاں نسلاً بعد نسلٍ جاری رہتی ہیں۔ عورت کے دماغ میں ایسی صلاحیت ہے کہ جس طرف رخ کرے مرد سے پیچھے نہیں رہ سکتی ہے مگر عورت کی زندگی بچپن ہی سے اس طرح پر ہوتی ہے کہ اس کو قدرتاً خانہ داری سے واسطہ شروع ہی سے پیدا ہو جاتا ہے اور اپنے دماغ کو گھر بار کے تردّدات سے خالی نہیں رکھہ سکتی ہے۔ اس کا واسطہ زیادہ تر بچوں کی پرداخت سے ہوتا ہے دل میں محبت ہوتی ہے اور دل کے ملایم ہونے سے دماغی ترقی میں اس کو چنداں مدد نہیں ملتی ہے۔ کتنی ہی وہ محنت اور مشقت میں مبتلا ہو

مگر ایک بیمار کو دیکھکر یا ایک ضعیف کو دیکھکر اگر کچھہ نہ کرے گی تو ایک لمحہ افسوس ضرور کرنے کو ٹہر جائے گی کسی کے پیارے بچے کو دیکھے گی تو ضرور محبت کی نگاہ اُس پر ڈالے گی - حالانکہ مرد دنیا کو مجروح دیکھتا ہی مگر اپنی دہن میں بلا خیال کسی احساس کے چلا جاتا ہی - اس لیے شاید بڑے بڑے موجد اور علم کے ماہر مرد ہی زیادہ ہیں کیونکہ وہ جس دہن میں پڑے اُسی کے ہوگئے مگر عورت کی ذات و صفات میں کوئی کمی ایسی نہیں ہی کہ وہ اگر ایجادیں نکر سکے تو علم اور ایجادوں کو سمجھہ بھی نہ سکے - مرد اگر منطق کے اصولوں سے نتیجہ تک پہنچ سکتا ہی تو عورت قدرت کی عطا کی ہوئی عقل سلیم سے اُن نتیجوں پر بآسانی پہنچ سکتی ہی عورت کی توجہ زیادہ تر زمانہ اور حالات موجودہ پر رہتی ہی - اس لیے عورت زیادہ تر عملی کوشش کرنے کے لائق ہوتی ہی حالانکہ مرد دماغی تخیلات اور وہموں کا شکار اکثر بنا رہتا ہی - عورت کا ذہن ویسا ہی تیز ہوتا ہی جیسا کہ مرد کا بعض حالتوں میں مرد سے زیادہ فوقیت رکھتا ہی لڑکے اور لڑکیاں جہاں ایک ساتھ پڑہاتی ہیں وہاں یہ صاف فرق ظاہر ہوتا ہی کہ لڑکے نہایت دیر میں سمجھتے ہیں مگر لڑکیاں نہایت ذکی اور تیز ہوتی ہیں لڑکوں کے آگے جلد نکل جاتی ہیں عورتوں کا مزاج قدرتاً زود اعتقاد ہی اور دنیا کے مکر و فریب سے پاک ہوتا ہی اس لیے مذہب پر اُن کا اعتقاد زیادہ ہی اور اس لیے مرد اُن کو جلد تر دہوکا دے سکتا ہی - مگر فریب بھی سیکھنے سے آتا ہی - اُس میں یکتا ہونے پر مرد مقابلہ عورت کا نہیں کر سکتا ہی - اس صیغہ میں وہ طاق ہو جا سکتی ہیں عورت کی زندگی چونکہ بقائے نسل کے لیے مخصوص ہی اور مرد چونکہ تمام دنیا کے کاروبار کے چلانے کے ذمہ دار ہیں اسی لیے قدرت کی منشا کے خلاف ہوگا اگر ساری عورتیں عالمہ اور فاضلہ ہوں اور گھر بار کو خیرباد کہہ بیٹھیں علی ہذا ساری دنیا کے کاروبار کا خاتمہ ہو جائے اگر مرد مثل عورت کے کمزور ہو جائیں انہیں دلایل سے ثابت ہوتا ہی کہ اگر عورتوں میں ویسی تعلیم دی جائے اور اُسی طرح تمام خیالات سے آزاد رہیں جیسے کہ مرد ہوتے ہیں تو عورت بھی دماغی ترقی میں کچھہ کم ترقی نہیں کر سکتی ہی وہ بڑی نامور مصنفہ ہو سکتی ہی - بڑی شاعرہ ہو سکتی ہی - مگر شاعری اور مصنفی سے زیادہ اہم فرض قدرت کاملہ نے

بقائے نسل کا قرار دیا ہے۔ عورت کی مرضی قدرتاً دوسروں کے تابع رہتی ہے۔ بچہ کو پریشان دیکھکر بچہ کے تابع رہتی ہے محبت کے باعث مرد کے تابع رہتی ہے۔ عورت میں سخاوت زیادہ ہے روکھاپن کم وہ دنیا کی خدمت میں مصروف رہتی ہے۔ عورت کے دل میں نیکی اور بھلائی کا خیال بمقابلہ مرد کے زیادہ موجزن رہتا ہے مرد جب کماتا ہے تو عورت اُسے سنبھالتی اور حفاظت سے رکھتی ہے۔ عورت میں خانہ داری کے چلانے کی قابلیت قدرتاً ہے۔ ماں بننے سے عورت میں رقیق القلبی اور ایثار نفسی پیدا ہو جاتی ہے نسل کی بقائے کے لیے ان اوصاف کی جس درجہ حاجت ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ بغیر ان اوصاف کے نسل کا کبھی کا خاتمہ ہو چکا ہوتا۔

گو کہ شادی کرنا اور گھر بسانا عورت کا فرض عین ہے مگر ایک حصہ معزز تعلیم یافتہ خاتون کا ایسا مخصوص رکھا جا سکتا ہے جو قوم اور ملک کی خدمت میں ہمہ تن مصروف رہے۔ عورت سے زیادہ بیمار کا غمگسار کون ہے۔ عورت سے زیادہ بچوں کی پرورش کرنے والا کون ہے؟ عورت یتیم خانے قائم کر سکتی ہیں اور بیمار کی غمگسار بن سکتی ہیں تجارت میں بھی حصہ لے سکتی ہیں پڑھانے میں بھی کوشش کر سکتی ہیں ڈاکٹری اور طبابت میں پیش قدمی کر سکتی ہیں۔ عورت کی باوقت امداد بہت کچھ اپنی قوم میں جان ڈال سکتی ہے در اصل مذہب اور ایمان عورتوں میں زیادہ دیرپا اور موثر رہتا ہے عورت تمام انسانی خوبیوں کو عرصہ تک زندہ رکھہ سکتی ہے اُسی کے ذریعہ سے خوبیاں بار بار مردوں میں پیدا ہو سکتی ہیں عورت کا اثر کچھہ کم نہیں ہے۔ اُس کی ظاہری اور باطنی خوبیاں سب ملکر اسدرجہ دوسروں کو رام کرنے میں کارگر ہوتی ہیں کہ سخت دل مرد بھی اُس کے آگے غلام بنجاتا ہے ایسی صورت میں اگر عورت ٹھان لے کہ مردوں میں ہمت قائم رہے تو کوئی ناممکن امر نہوگا کہ قومی ترقی پیدا ہو سکے۔ عورت پر تعلیم کا اثر ذرا دیر میں ہوتا ہے اسلیے نہیں کہ اُن کی دماغی قابلیت میں کوئی کمی ہے بلکہ اُن کے حالات جن میں اُن کی پرورش ہوتی ہے وہ اسکے مقتضی ہیں کہ اُن پر تعلیم کا اثر دیر میں ہو عورت کے دل نہایت ملائم ہوتے ہیں اور قدرت نے اس ذریعہ سے خلق اللہ کے متعدد نفع متصور رکھے ہیں عورت اگر تعلیم یافتہ اور کریم النفس نہیں ہے تو انسان کو دقت کا سامنا ہے مگر مرد کے تعلیم یافتہ ہونے سے امید ہوتی ہے کہ عورت بھی رفتہ رفتہ ترقی کے رستہ پر چل نکلے محض رستہ دکھانیکی حاجت ہے۔ پھر منزل

پر پہنچنا آسان ہو جائے گا۔

زنانہ کلب

میل جول کو ترقی دینے کے ذرائع میں سے سب سے قوی ذریعہ کلب اور پارٹی ہیں۔ ایسے کلب میں لوگ ممبر ہوتے ہیں اور کلب سے فائدے اُٹھاتے ہیں۔ کلب کسی ایک کا مالک نہیں ہوتا ہی بلکہ سب کے سب اس میں یکساں حق رکھتے ہیں سب کی شرکت سے اس کی رونق متصور ہوتی ہی۔ مردوں نے جگہ جگہ کلب قائم کرکے دل بہلانا یا علمی ترقی میں مزید حصّہ لینا شروع کر دیا ہی مگر عورتوں کو ایسے کلب کی بدرجہا زیادہ ضرورت ہی۔ اس لیے کہ بغیر ان ذریعوں کے اُن کے خیالات میں توسیع ہونا ناممکن ہی اور دوسری ضرورت یہ ہی کہ ایک حالت میں گھر میں پڑے پڑے انسان گھبرا اُٹھتا ہی پھر ان میں شرکت کرنے سے اور ان ذریعوں سے دل بہلاتا ہی۔ قدیم زمانہ میں میل جول کی کمی نہیں تھی۔ مرد مرد سے ملتے جلتے تھے۔ آپس کی صحبتیں رہتی تھیں۔ کہیں پر مشاعرہ کا چرچا تھا۔ کہیں گپیں لگتی تھیں۔ کہیں دربار جمتا تھا۔ اسی طرح پر عورتیں بھی آپس میں رسم وراہ بخوبی رکھتی تھیں۔ مگر اس زمانہ میں نہ تو میل جول قائم ہی اور نہ تو وہ صحبتیں باقی رہیں۔ مشاعرہ کے جلسے زمانہ سابقہ کی یادگار ہو گئے ہیں مگر افسوس تو یہ ہی کہ اُن کی جگہ کسی واقعی دلچسپی نے نہیں لی ہی۔ اب یہ حالت ہی کہ ہر شخص اپنے خیال میں گرفتار رہتا ہی نہ کسی سے خیالات میں تبادلہ کر سکتا ہی۔ اور نہ تو آپس کے میل جول سے غم یا تردد کا بوجھ ہلکا ہوتا ہی۔ غرضکہ پرانی رسمیں ترک ہو گئیں اُن کا جتنا بھی ملال کیا جائے کم ہی۔ مگر اُن دلچسپ مشاغل کی جگہ اب تک خالی کی خالی رہ گئیں ہیں۔ کلب اور جلسوں کا زور یورپ میں بدرجہا زیادہ ہی وہاں ہر جگہ پارٹیاں ہیں اور ہر مقام پر متعدد کلب ہیں۔ مقاصد ہر ایک کے جدا سب کے سب نہایت عمدگی کے ساتھ اپنا اپنا کام کیے چلے جاتے ہیں نہ تو رکاوٹ ہی اور نہ تو جھجک ہی ہی۔ نہ آپس کی بے لطفی۔ لاہور کلکتہ اور بمبئی جیسے بڑے مقامات میں اس طرف خیال ہو چلا ہی پونا میں ایک خاص زنانہ کلب بڑے پیمانہ پر کھلا ہی۔ جس میں

مسلمان پارسی ہندو انگریزی خاتونیں برابر بلا دقت شریک ہوتی ہیں ہماری عورتیں زیادہ تنگ خیال اور کوتاہ نظر ہیں اُنکو نہ تو امنگیں ہیں ورنہ تو اُن کی نگہیں ایسے کار آمد تماشوں کی عادی ہوئی ہیں مگر کوشش کرنا ہر انسان کا کام ہے۔ ہر مرد اور عورت کو آپس کے میل جول میں ترقی پیدا کرنے کی ہر طرح پر کوشش کرنی چاہئے ہندو اور مسلمان ہنیں آپس میں بلا رکاوٹ مل سکتی ہیں مگر سچ تو یہ ہے کہ اس بارہ میں بھی میل جول کی بہت کمی ہے اور جب تک کہ دونوں جانب سے آمادگی نہو تب تک میل جول کا خیال غلط ہے۔ میل جول میں ترقی پانے کو انسان کی گفتگو میں شستگی درکار ہے جس کی ترقی تعلیم سے اور اچھی صحبتوں سے ہوتی ہے بول چال میں لطافت پیدا کرنا انسان کے لیے بڑی صفت ہے اور جو عورت بول چال میں کمال پیدا کرتی ہے اُسکو سب اعزا و اقربا عزیز تر رکھتے ہیں مگر بباعث خیالات کی تنگی کے ہمیں کبھی چنداں ترقی نہیں ہے بڑے شہروں کی رہنے والی خاتونیں البتہ گفتگو میں مشاق ہوتی ہیں مگر بلا علم اور وسیع معلومات کے حاصل کیے ہوئے اُنکے کلام میں بھی چنداں دیرپا دلبستگی نہیں ہو سکتی ہے محض زبان چلانا کوئی ہنر کی بات نہیں ہے۔ بلکہ سمجھہ بوجھہ کر موقع کی بات کرنے میں اصلی ہنر ہیں۔ بول چال کے اصول سوسائٹی نے بنا دئیے ہیں کوئی تحریری اصول نہیں ہیں۔ مگر ہر سمجھدار بآسانی اُن سے واقف ہوجاتا ہے ظرافت و نکتہ سنجی آسان بات نہیں ہے مگر کسی پر جملے کسنے یا چڑانے سے ظریف و نکتہ سنج نہیں کہے جا سکتے ہو بول چال میں بناوٹ یا خودنمائی بھی بُری خصلت ہے۔ بول چال میں بھی مثل شاعری کے آمد ہونی چاہئے نہ کہ آورد۔ بولچال مختلف مضامین پر کرنے سے زیادہ پرلطف صحبت ہوجاتی ہے اور دوسروں کو بھی موقع اپنی رائے کے اظہار کرنے کا دینا لازمی امر ہے۔ بات چیت میں موقع اور محل کا خیال کر لینا ہر ذی ہوش کا فرض ہے۔ تعزیت کرنے میں ہنسنا یا خوشی کے موقع پر مغموم نظر آنا ناپسندیدہ عادت نہیں ہے۔ دراصل لطف گفتگو کے عجیب کرشمے ہیں ایسے لطیف گویا مغموم کو خوش و بحال کر دیں۔ غافل کو ہوشیار بنا دیں۔ جاہل کو عاقل بنا دیں کم بیں کو وسیع نظر بنا دیں۔ یہ سب کچھہ ایسے شخص کے لیے کوئی بڑی بات نہیں ہے بات کرتے کرتے ایک دوسرے سے اکثر دلی محبت پیدا ہوجاتی ہے اور وہ ہمارے ہمراز اور ہمدرد بنجاتے ہیں رنجیدہ مزاج

کو تسکین ہوتی ہے۔ باتوں کے دلچسپ سلسلوں میں ہم اپنا رنج بھول جاتے ہیں جو غافل اور ناعاقبت اندیش ہیں اُن سے اگر صاف صاف اُن کے عیب کہو یا ملامت کرو تو اُنکو سخت ناگوار ہوتا ہے اور بعض وقت اُن کے مزاج ضدی ہو جاتے ہیں مگر دوران سخن میں اُنکی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور وہ آخر میں بھی بسا اوقات ہو جاتے ہیں مگر گفتگو اور لطف گفتگو کے لیے بزرگی اور خوردی۔ حالی رتبہ غرضکہ مخاطب کا ادب اور امیری اور غریبی کا پاس ادب لازم ملزوم ہے۔ مطلب یہ نہیں ہے کہ جوش گفتگو میں بزرگی اور خوردی کو فراموش کر دو۔ بلکہ یہ ضرور خیال رکھو اور ملحوظ رکھو مگر ساتھ ہی اسکے بزرگی اور خوردی کا پاس اس میں نہیں ہے کہ جلسے پھیکے ہو جائیں یا خاموشی چھا جائے بزرگ کا فرض ہے کہ خوردوں کو گفتگو میں حصہ لینا سکھائے اور چھوٹوں کی باتیں بغور سننا چاہیں اور مناسب طریقہ سے اس میں اصلاح دینی چاہئے میل جول میں امیر اور غریب کا سوال نہیں پیدا کرنا چاہئے اس سے سراسر بے لطفی ہوتی ہے سب سے زیادہ ضروری امر ہر شخص کے لحاظ کرنیکا یہ ہے کہ دوسرے کی تکلیف یا ضرورت اور پاس خاطر ہر وقت لحاظ رکھنا چاہئے اگر دوسروں کو گفتگو ناگوار ہوتی ہے تو بلا وجہ کی گفتگو سے کیا نفع ہے اگر کوئی کام کر رہا ہو تو اسکے پاس بلا خیال اُسکے کام میں ہرج کرنیکی باتیں اور شور سے کرنا کوئی امر دل خوش کن نہیں ہوتا ہے۔ اچھی گفتگو کرنے والے مشاق ہر کس و ناکس کو اپنا گرویدہ جلد بنا سکتے ہیں۔ اُسکا کلام ہر شخص پر یکساں موثر ہوتا ہے۔

کلب علمی ترقی کیلئے زیادہ مفید ثابت ہوئے ہیں وہاں اخباروں کا انبار جمع کیا جا سکتا ہے جہاں لوگ جوق جوق پڑھتے ہیں پھر دو چار ان میں سے ایک جگہ بیٹھ گئے اور شیریں گفتگو سے اپنے دل کو شاد کرتے اور علم کا بھی ذخیرہ ساتھ لیتے ہیں اور کلب سے رخصت ہو جاتے ہیں پارٹی کا دینا ایک آسان اور کم خرچ ذریعہ لوگوں میں میل جول پیدا کرنے کا ہے اگر اچھے پیمانہ پر زنانہ کلب آسانی نہیں کھولے جا سکتے ہیں تو زنانہ پارٹیوں سے ہماری مستورات کو شروع کرنا چاہئے نامور و تعلیم یافتہ خاتون کو اس میں حصہ لینا چاہئے اس کی امداد میں مردوں کو بھی امداد میں قدمے درمے دریغ نہیں کرنا چاہئے زنانہ پارٹی پردہ کے ساتھ بآسانی ہو سکتی ہے انتظام ہو سکتا ہے کہ کوئی مرد یا غیر اُسکے قریب بھی آنے جانے نپاوے

عورتوں کے مختلف فرائض

عورت کی زندگی کو تین حصوں میں آسانی کے ساتھ تقسیم کر سکتے ہیں دور اول پیدائش

اٹھارہ برس تک رہتا ہے۔ جبکہ وہ خود مختار رہتی ہیں اور بن بیاہی رہتی اور آزادی کے ساتھ عمر بسر کرتی ہیں۔ دوسرا دور بیاہ کرتے ہی شروع ہوتا ہے۔ دراصل یہ زندگی میں نہایت انقلاب پیدا کرنیوالا دور ہے۔ اور پھر آخیر دور جب ماں بنکر بچوں کی پرداخت میں ہمہ تن مصروف رہتی ہیں۔ کم فہم کیلئے یہ تینوں دور از خود آتے جاتے رہتے ہیں۔ اور ان میں کوئی خاص تغیر نہیں ہوتا ہے۔ مگر جو سمجھدار ہیں وہ ان تینوں دور میں اپنے جدا جدا فرائض سمجھتی ہیں۔ بچپن بے فکری کا زمانہ ہے اور بے فکری میں گذر جاتا ہے۔ مگر عقل آنے پر لڑکیوں کو اپنی عمر شادی ہونے تک بیکار نہیں ضائع کرنا چاہئے۔ سب سے اول تو اُن کو اپنی خود اصلاح کرنی چاہیئے تاکہ اچھی اور لائق تر خاتون بننے کے لائق ہوں اور اسی دور میں علم حاصل کریں اور ضروری ہنر سیکھیں۔ مثلاً کھانا پکانا، خانہ داری کرنا، حساب کتاب رکھنا، سینا۔ پرونا وغیرہ ان امور میں دل لگا کر اور فرض جانکر ان کو سیکھیں۔ یہ خیال غلط ہے کہ عمر رسیدہ ہونیکے بعد لڑکیوں کی ذمہ داری شروع ہوتی ہے۔ وہ بہن اور لڑکی کی حیثیت سے بہت کچھ بکار آمد ہوسکتی ہیں اور اپنے اعزا کا ہاتھ بٹا سکتی ہیں۔ یورپ میں بن بیاہی عورتیں زیادہ کار آمد ثابت ہوئی ہیں۔ مثلاً مصنف اور کاریگر یا صنعت و حرفت میں طاق یا خلق اللہ کیلئے اپنی زندگی صرف و وقف کرنے والی زیادہ تر بن بیاہی عورتیں ہیں۔ اس کی وجہ صاف یہ ہے کہ بیاہ ہونیکے بعد دنیا کے اس قدر مکروہات و تفکرات ہو جاتے ہیں کہ عورت کو یکسو ہو کر کسی صیغہ میں کامل ہو جانا ناممکن ہو جاتا ہے۔ لڑکیوں کو بچپن میں وقت ضائع نہ کرنا چاہئے۔ ایسا کرنے سے اور کثرت مشاغل سے عقل تیز ہوتی جاتی ہے اور کام کرنے کی مہارت رہتی ہے۔ صحت درست رہتی ہے اور کاہلی نہیں آنے پاتی۔ لڑکیاں علاوہ گھر کے کام کرنیکے اپنے چھوٹوں کی پرداخت بھی کرسکتی ہیں اور اس طور پر آیندہ زندگی کے مراحل طے کرنیکے لئے تیار ہوتی ہیں۔ دوسروں میں علم کی روشنی پھیلا سکتی ہیں، اعزا کی دردمندی کرسکتی ہیں، دکھ میں تیمارداری کرسکتی ہیں اور اُن کے بڑوں پر لازم ہے کہ اُن کو دنیا میں کار آمد بنا دیں۔ لڑکیوں کو یا تو ازحد ناز اور تنعم میں رکھا جاتا ہے یا اُن پر اس قدر سختی کی جاتی ہے کہ اُنکی ہر حرکت اور گفتگو پر اعتراض کرکے اُن کو ضدی بنا دیا جاتا ہے یا بے مصرف بنا کے چھوڑ دی جاتی

ہیں۔ لڑکیوں کے شوق کو گڑیوں تک ماؤں نے کافی سمجھ رکھا ہی مگر اب زمانہ بدل رہا ہی۔ اور اگر زمانہ کی رفتار
کے ساتھ ساتھ لڑکیوں کی تعلیم نہ ہوئی یا شوق پیدا نہ کیا گیا تو درصل افسوس ہوگا اور اُس وقت افسوس کرنا بے سود
ہوگا۔ لڑکیوں کو خانہ باغ سے شوق کرنا بیجا شوق نہیں ہی۔ تصویر دیکھنے کا شوق بُرا نہیں ہی بالخصوص جب یہ نیت ہو کہ
کہ دنیا کا علم اس ذریعہ سے قدرے حاصل کریں۔ مکان کی آراستگی کا شوق بیل بوٹے کاڑھنے کا شوق بُرا شوق نہیں ہے
ہمارے طرز زندگی میں اس قدر بھی وسعت پیدا کردینا کافی ہی۔ اگر لڑکیاں کوئی شوق نہیں رکھتی ہیں تو شوق پیدا
کرنا چاہیئے تاکہ اُنکو دنیا کے بہتر مشاغل کی طرف رُجحان پیدا ہو سکے۔ ہمارے حالات کے لحاظ سے پردہ کی رسم ضروری
ہی اور شرم و حیا عورت کیلئے بہترین زیور ہیں جس پر ہم لوگ جس قدر ناز کریں بیجا نہیں ہی۔ مگر یہ ضرور کہنا پڑیگا کہ
دنیا میں عالم نسواں کو بھی حصہ لینے دو۔ کم ازکم دنیا کے دلچسپ حالات سے بقدر ضرورت اُنکو بھی آگاہ ہونے دو
اور اُنکو بھی انسان بننے دو تاکہ فی الواقعی مردوں کی ہمدم بن سکیں۔ شادی کرنے سے اسلام میں ایک نہایت مقدس
عہد و پیمان درمیان میاں اور بیوی کے قایم ہوتا ہی۔ اور اسلام کے اندر جو احکام موجود ہیں اُنسے ظاہر ہی کہ اسلام میں
شادی نہایت موثر معاہدہ ہی جو دونوں فریق کے لئے باعث خیر و برکت و راحت قرار دیا گیا ہی۔ افسوس ہی لڑکیوں
کی بالعموم مرضی اس بارہ میں نہیں لیجاتی اور بسا اوقات لڑکوں تک سے جبر اور سختی والدین کام لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ
رویہ اسلام کے احکام کے سراسر خلاف ہی۔ فریقین پر شادی ہوتے ہی اہم فرائض شروع ہوجاتے ہیں۔ شوہر کے
مزاج کو پہچاننا اور اُسکو خوش رکھنا یا ساس سُسرے کو راضی رکھنا بجاے خود آسان کام نہیں ہی۔ بیاہی لڑکی
جہاں گھر کی مالک بنیں اور بھی اہم دشواریاں مقابل میں آجاتی ہیں۔ مگر ذی شعور دانشمند اور پہلے سے سیکھی ہوئی
لڑکیاں ان تمام دشواریوں کو آسان کردکھاتی ہیں۔ دنیا کے مہذب طبقوں میں بیوی شوہر کی شریک حال سمجھی
جاتی ہی۔ مگر بدنصیبی سے یہ مستورات جا بجا خانہ داری کا بار نوکر چاکر پر چھوڑ دینا پسند کرتی ہیں۔ ایسا طریقہ اصول
کفایت شعاری اور اصلی خانہ داری کے بالکل منافی ہی۔ جو عورت اپنے شوہر کے روپیہ کو بے ضرورت خرچ کرنے میں
دریغ نہیں کرتی ہی وہ کسی طرح پر قابل مدح بیوی نہیں ہی۔ اصلی شریک حال ہونیکے معنی یہ ہیں کہ بیویاں شوہر کے
اخراجات پر حاوی ہوں تاکہ آمدنی کے اندر اندر خرچ رہے اور زیر باری نہ ہونے پائے اور نہ تو نجالت کے باعث
نفاست میں کمی آوے۔ شوہر کے ہم خیال ہوں، اُنکی رازدار بنیں، اُنکے مشاغل میں دلچسپی لیں، شادی ہونے پر

اعزا سے بیخبر ہونا بھی اچھی بات نہیں ہے۔ جہانتک اچھا اثر نزدیک اور دُور ڈال سکیں ضرور ڈالتے رہنا چاہیے تا کہ اپنی زندگی دوسرے کے کچھ تو کام آئے۔ شادی کے بعد اور بھی زیادہ عورت کو شائستگی پیدا کرنے کا شوق رکھنا چاہیے خانہ جنگیوں کو بند کرانا چاہیے۔ دوسروں کو پسندیدہ اصول بتانا چاہیے اور تعلیم کو پھیلانا چاہیے۔ صنعت کو ترقی دینا چاہیے۔ آخر وہ دراصل سب سے زیادہ خیر و برکت کا دور ہے یعنی وہ زمانہ جب عورت کو ماں بننے کا شرف حاصل ہو۔ یہ زمانہ ہے کہ ماں آیندہ نسل کو درست بنا سکتی ہے اور بگاڑ بھی سکتی ہے۔ نیک اولاد پیدا کرنے سے دنیا آباد اور گلزار ہوتی ہے اور ناخلف اولاد ہر لحظہ دنیا کو خطروں میں ڈالتی رہتی ہے۔ ماں کے فرائض انجام دینا نہایت دشوار امر ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ بچے بڑے ہو کر خراب ہو جاتے ہیں اور پھر ماں کچھ نہیں کر سکتی ہے۔ کف افسوس ملتی ہے۔ حالانکہ ایک وقت اُسکے اختیار میں تھا جب اُسے دبا سکتی تھی یا عیب دُور کر سکتی تھی۔ اب ماں کی غفلت سے بچہ کی زندگی معرض خطر میں رہتی ہے اور ماں پر اُسکے باعث ہر لحظہ ایک مصیبت ہے۔ پھر ماں قسمت کی شکایت بے سود کرتی ہے برعکس اسکے لوگ ماں کو اُس کے اچھے بچے دیکھنے سے ہمیشہ مبارک باد دیتے ہیں اور وہ خدا کا شکر کرتی ہے۔ اور اُس کا دل گواہی دیتا ہے کہ اُسکی اولاد دراصل اُسکے آنکھ کی ٹھنڈک ہے۔ ایسی ماں بچہ کو بلا ضرورت تنگ نہیں کرتی تھی، اُسکی تربیت سے غافل نہ تھی اُسکے کھیل میں خوش ہوتی۔ نیک کام پر شاباشی دیتی تھی۔ اور بُرے کام کرنے پر فوراً ٹوک دیتی تھی۔ اچھے نمونے پیش کرتی تھی۔ خود نفاست اور صفائی برتتی تھی اور اس طور پر بچوں کو بھی نفاست اور صفائی سکھاتی تھی۔ اچھوں سے ملنے کو کہتی تھی اور بُری صحبت سے بچاتی تھی۔ دراصل ماں کی پاک محبت اس درجہ اثر کن ہوتی ہے کہ اگر سمجھ سے کام لیا جاوے تو دنیا میں کم لڑکے ایسے کہ با خود سر ہوں۔ مگر روزمرہ کا تجربہ ماں کی غفلت کے باعث اسکے خلاف ہے۔ یا تو اس درجہ پیار کیا جاتا ہے کہ بچے جلد خراب ہو جاتے ہیں یا اس قدر ان کے ساتھ بد مزاجی برتی جاتی ہے کہ بچے جلد بے خوف اور بے لحاظ اور بے ادب ہو جاتے ہیں۔ کس قدر صحیح مقولہ ہے کہ انسان کی قسمت ماؤں کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جیسی اُٹھان اُٹھاوینگی بچے ویسے ہونگے۔ انسان کی قسمت کا فیصلہ ہمیشہ آیندہ نسلوں پر رہا کیا ہے۔ کاش کہ اب بھی خدا کرے کہ مائیں سمجھیں کہ اُنکی کسقدر بیشمار ذمہ داریاں ہیں۔ اور وہ آیندہ نسلوں کو کیا سے کیا بنا سکتی ہیں۔

تمت